فکر و نظر

اردو کا مقدمہ

اردو کا مقدمہ اس وقت سپریم کورٹ میں ہے۔ عدالت عظمیٰ حکومت سے سختی سے باز پرس کر رہی ہے کہ وہ آئینی تقاضے کے مطابق اردو کو دفتری اور سرکاری زبان کیوں نہیں بناتی اور حکومت لیت ولعل سے کام لے رہی ہے کہ اس کے پاس ایسا نہ کرنے کا کوئی جواز اور معقول بہانہ موجود نہیں۔ ہم یہاں سپریم کورٹ کے معزز جج صاحبان کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہیں گے کہ حکومت اگر ان کے دباؤ پر اردو کو دفتری اور سرکاری زبان بنانے کا 'رسمی' اعلان کر بھی دیتی ہے تو اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں جب تک حکومت مندرجہ ذیل اقدامات نہ کرے:

۱- اردو کو دفتری اور سرکاری زبان بنانے کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری اور پرائیویٹ دفاتر، پارلیمنٹ اور ہر سطح کی عدالتوں میں اردو عملاً ذریعۂ اظہار بن جائے خصوصاً اندرون و بیرون ملک رسمی تقریبات میں مملکت کے نمائندے (صدر، وزیر اعظم، وزراء......وغیرہ) لازماً اردو میں گفتگو کریں۔

۲- اردو کو ہر سطح پر ذریعۂ تعلیم بنایا جائے۔ اس کا بالواسطہ مطلب یہ ہے کہ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے پر پابندی لگا دی جائے۔

۳- مقابلے کے امتحانات کی زبان اردو ہونی چاہیے۔

زیادہ بہتر ہوگا کہ اردو کو دفتری اور سرکاری زبان قرار دیتے وقت مملکت اپنی لسانی پالیسی کا واضح اظہار کر دے جس کے لیے دو مزید اقدامات (پاکستانی بچوں کو مسلمان بنانے اور مغرب کی ذہنی غلامی سے بچانے کے لیے) ضروری ہیں:

۱- دستور پاکستان کی رو سے چونکہ قرآن حکیم کے ساتھ عربی زبان کی تعلیم بھی لازمی ہے لہٰذا مسلمان طلبہ کے لیے تیسری جماعت سے بارھویں تک آسان قرآنی عربی زبان کی تعلیم (طریق مباشر سے ہلکے پھلکے انداز میں) لازمی قرار دے دی جائے۔

۲- انگریزی کو چھٹی جماعت سے اختیاری مضمون قرار دے دیا جائے تاکہ جو اسے پڑھنا چاہتا ہو وہ پڑھ لے (اس سے پہلے اسے بطور مضمون بھی پڑھانے کی اجازت نہ ہو)

مندرجہ بالا پالیسی کے نفاذ کے لیے نہ صرف ضروری قانون سازی کی جائے بلکہ اس کے عملی نفاذ کے لیے ضروری ادارے، کمشن، کمیٹیاں بھی بنائی جائیں تاکہ عملی پیش رفت حقیقت کا روپ دھا سکے۔

تعلیم و تربیت　　ڈاکٹر محمد امین

دینی مدارس کے علماء کرام اور وفاق توجہ فرمائیں

کیا دینی مدارس کے نظام تعلیم میں بہتری کی گنجائش ہے؟

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے بجا فرمایا تھا کہ دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے معاشرے میں اس وقت دینی حوالے سے جو بھی کام ہو رہے ہیں اور جو بھی سرگرمی نظر آ رہی ہے اس کا بہت بڑا سبب یہ دینی مدارس ہی ہیں لہٰذا ان کے منبع خیر و ہدایت ہونے کے بارے میں دوسری رائے نہیں ہو سکتی۔

تاہم اس کے باوجود اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ دینی مدارس کا موجودہ نظام انسانوں ہی کا تشکیل کردہ ہے۔ بلاشبہ اس نظام میں خیر غالب ہے اور اس میں بہت سی خوبیاں ہیں لیکن انسانی کاوش ہونے کے ناطے بہر حال اس میں کچھ خامیاں ہو سکتی ہیں لہٰذا اس نظام کو مفید سے مفید تر، موثر سے مزید موثر اور بہتر سے بہترین بنانے پر غور و خوض ضروری ہے۔ دینی مدارس چلانے والے علماء کرام اور ان کے وفاقوں کے اہل حل و عقد اس امر کے دوسروں سے زیادہ حق دار ہیں اور سب سے بڑھ کر اس کے لیے موزوں ہیں کہ وہ اس غور و خوض میں حصہ لیں اور اگر ان کا کوئی ہمدرد اس غور و خوض میں حصہ لے اور اس نظام کی بہتری کے لیے تجاویز پیش کرے تو اس کا بھی خیر مقدم کیا جانا چاہیے۔

ہم آج کی نشست میں بعض ایسے امور کی نشان دہی بطور سوال کرنے کی کوشش کریں گے جو ہماری طالب علمانہ رائے میں محتاج نظر ثانی ہو سکتے ہیں اور دینی مدارس کے علماء کرام سے درخواست کریں گے کہ ان پر سوچیں اور لکھیں، خواہ البرہان میں، خواہ اپنے پرچوں میں، وباللہ التوفیق۔

۱- دینی مدارس جو طلبہ تیار کرتے ہیں وہ کس مقصد سے کرتے ہیں؟ یعنی طلبہ ان مدارس سے فارغ ہو کر کیا کریں؟ کیا محض مساجد و مدارس کی خدمت؟ مسلمان بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھا دینا اور نکاح و نماز جنازہ جیسی معاشرتی رسوم انجام دینا یا انہیں پاکستان کے مسلم معاشرے اور ریاست کے اداروں میں بھی کام کرنا چاہیے؟

۲- اگر جواب دوسرا ہو تو ظاہر ہے موجودہ نصاب بدلنا پڑے گا۔ کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟ اور نصاب میں کیا اضافے تجویز کریں گے؟

۳- مغرب کی فکر و تہذیب جو اسلام اور مسلم مخالف ہے اور مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے اور اپنی راہ پر چلانے میں کامیابی سے پیش رفت کر رہی ہے۔ کیا اس کی تفہیم اور اس کے رد کے لیے علماء کرام کو اس کا مطالعہ نہیں کرنا چاہیے؟

۴- مغربی فکر و تہذیب کے علم بردار ممالک نے مسلمان ملکوں کو غلام بنا لیا اور ان کا اسلامی تعلیمات پر مبنی اجتماعی ڈھانچہ توڑ کر اسے اپنے اصولوں پر نئے سرے سے تعمیر کیا۔ اس باہمی تعامل نے مسلم معاشرے میں اسلامی حوالے سے بہت سے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ کیا دینی مدارس سے فارغ ہونے والے علماء کرام کو ان مسائل کے حل کے لیے علمی اور فکری طور پر باصلاحیت نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ان مسائل کے حل میں فرد، معاشرے اور ریاست کی رہنمائی کر سکیں؟ اس کے لیے نصاب میں کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے؟

۵- ہمارے معاشرے میں بہت سے اہل دین نے اپنے اپنے مسلک و مشرب کو عین دین سمجھ لیا ہے جس نے نہ صرف فرقہ واریت کو جنم دیا ہے، مساجد و مدارس اور عامۃ الناس میں تقسیم کو گہرا کیا ہے بلکہ بیرونی قوتوں کی شہ پر اس کے ڈانڈے دہشت گردی سے بھی جا ملتے ہیں اور اس نے اس خدشے کو جنم دیا ہے کہ دینی مدارس دین کے مبلغ نہیں بلکہ اپنے اپنے مسلک کے سپاہی اور مبلغ تیار کرتے ہیں۔ اس مظہر کو ختم کرنے کے لیے دینی مدارس کے نصاب اور طریق تدریس میں کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے؟

۶- کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ دینی مدارس میں قرآن و علوم القرآن کا نصاب کم ہے اور اسے پورے نصاب میں مرکزی اور کلیدی حیثیت حاصل نہیں ہے؟ اس کے لیے آپ کیا اقدامات تجویز کرتے ہیں؟

۷- کیا صحاح ستہ کا آخری سال میں دورہ یعنی مرور سریع کی بجائے یہ سوچا جا سکتا ہے کہ اہم کتابوں مثلاً بخاری اور مسلم کا تحقیقی مطالعہ پہلے سالوں میں کر لیا جائے؟

۸- کیا فقہ کے نصاب میں متاخرین احناف کی ایک آدھ کتاب ہدایہ، قدوری وغیرہ کافی

ہیں؟ کیا اس سے طلبہ میں فقہ کا ملکہ اور اصول کی بصیرت پیدا ہوجاتی ہے جو ہر متیقظ فقیہ کے لیے ضروری ہے۔ کیا بین المذاہب (یعنی بین مذاہب المسلمین) تقابلی مطالعہ مفید نہیں کہ مسلکی شدت پیدا نہ ہو اور کیا بین الادیان تقابلی مطالعہ ضروری نہیں مثلاً مغربی قوانین، اقوام متحدہ کے قوانین (بنیادی انسانی حقوق وغیرہ) پاکستانی قوانین......تاکہ دینی مدارس کے طلبہ کو پتہ چلے کہ دنیا میں قانون (فقہ) کے حوالے سے اس وقت کیا ہو رہا ہے؟

۹- کیا عربی زبان سکھانے کا دینی مدارس کا طریقہ (یعنی بذریعہ گرامر) مقدس اور ناقابل تغیر ہے اور دوسری زبان سکھانے کے جو جدید طریقے دنیا میں مروج ہو چکے ہیں ان سے استفادہ حرام ہے؟ کیونکہ اتنا وقت دینے کے باوجود مدارس کے طلبہ فنکشنل عربی یعنی عربی بول چال اور انشاء میں کمزور ہوتے ہیں اور جدید عربی زبان وادب سے ناواقف بھی۔ ہم نے امریکن قونصلیٹ لاہور میں یہ تماشا دیکھا کہ علماء کرام کی امریکی سفیر سے ملاقات طے تھی جس میں امریکی سفیر مسٹر کروکر روانی سے عربی بول رہا تھا (کیونکہ وہ کئی سال قاہرہ میں رہا تھا) اور بہت سے معروف علماء کرام موجود تھے جو اس سے اردو میں بات کر رہے تھے اور قونصلیٹ کا مترجم اس کا انگریزی میں ترجمہ کر رہا تھا۔ ایک عالم دین نے تمہیداً چند جملے عربی میں بولے جو غلط سلط عربی پر مشتمل تھے اور استہزاء کا سبب بنے۔

۱۰- دینی مدارس کی موجودہ اسکیم آف سٹڈی پر غور کیا جائے تو اس کی ترتیب یوں بنتی ہے: سب سے زیادہ وقت عربی زبان کو دیا جاتا ہے، پھر حدیث، پھر فقہ، پھر قرآن، پھر عقیدہ۔ کیا اس پر نظر ثانی کا سوچا جا سکتا ہے؟ مثلاً پہلے قرآن، پھر حدیث، پھر عقیدہ، پھر فقہ، پھر عربی زبان......

۱۱- کیا سیرت وسوانح ۲- مسلم تاریخ وجغرافیہ ۳- تزکیۂ نفس ۴- اسلام وعمرانی علوم (اسلامی تہذیب، اسلامی معیشت، اسلامی سیاسیات، اسلام اور علم النفس، اسلام اور فلسفہ مغرب......) اور ۵- اسلام اور سائنس وٹیکنالوجی جیسے مضامین شامل نصاب کیے جا سکتے ہیں؟

۱۲- کیا طرق تحقیق (Research Methodology) کا مضمون دینی مدارس میں پڑھایا جا سکتا ہے؟ کیا مدارس میں تخصص کے شعبے کی تنظیم نو کی جا سکتی ہے اور اسے دیگر اسلامی علوم جیسے علوم القرآن، علوم الحدیث، فقہ واصول فقہ وغیرہ، اسلامی عصری علوم (جیسے اسلامی معاشیات، اسلامی سیاسیات) اور السنہ مثلاً عربی، انگریزی، روسی، چینی، جرمن، فرنچ......وغیرہ تک توسیع دی جا سکتی ہے اور اس کی ڈگریوں کو ایم فل وپی ایچ ڈی کے مساوی بنایا جا سکتا ہے؟

اتحاد امت

مولانا حافظ محمد عارف ☆

صالح اور صاحبِ فراست علماء کرام کا طریقہ

اختلاف کے باوجود محبت اور اکرام

قرآن کریم میں اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا وَ کُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ○ وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ○ وَ لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَ اخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ''تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ بندی نہ کرو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ اللہ کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے (کنارے) پر (کھڑے) تھے کہ اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم رہنمائی حاصل کرو۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور احکام آ جانے کے بعد اختلاف میں مبتلا ہو گئے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے عذابِ الٰہی ہے[1]۔''

ان آیات میں باہمی تفرق اور جنگ و جدل کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے ہر سلیم الفطرت شخص آگ سے بچتا ہے اور عقل و حواس ہوتے ہوئے اپنے آپ کو آگ کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر سلیم الفطرت شخص اور جماعت خصوصاً امتِ مسلمہ تفرق و تشتت اور باہمی جنگ و جدال سے نفرت کرتی ہے کیونکہ اس سے اہل اسلام کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے اور ان کا رعب جاتا رہتا ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَۃً فَاثۡبُتُوۡا وَ اذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ

☆ شیخ الحدیث جامعہ عربیہ، گوجرانوالہ

تُفْلِحُوْن o وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ.

''اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہوتو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے[۲]۔''

شارحِ قرآن رسول اکرم ﷺ نے بھی امت کو اتحاد و اتفاق کی تلقین فرمائی اور تفرق و انتشار سے منع فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین چیزیں پسند کرتا ہے اور تین چیزیں ناپسند۔ اسے جو چیزیں پسند ہیں وہ یہ ہیں: (۱) تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (۲) تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور تفرقہ میں نہ پڑو (۳) اللہ نے جنہیں تمہارا حکمران بنایا ہے، ان کے ساتھ نصیحت و خیر خواہی کا معاملہ کرو۔ اور اس کے نزدیک ناپسندہ افعال: ۱- قیل وقال ۲- کثرتِ سوال اور ۳- اضاعتِ مال (مال ضائع کرنا) ہیں[۳]۔

اسی طرح حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی قوم ہدایت پر قائم ہونے کے بعد اس صورت میں گمراہ ہوتی ہے جب وہ جھگڑے میں پڑتی ہے[۴]۔

حدیث اختلاف امتی رحمة کی اسنادی حیثیت

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے، جسے بعض لوگ صحیح سمجھ کر روایت کرتے ہیں۔ یعنی **اختلاف امتی رحمة** یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: **زعم کثیر من الائمة انه لااصل له** (بہت سے ائمہ کرام کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں)۔ اسی طرح امام سخاویؒ نے المقاصد الحسنہ اور شیخ محمد طاہر گجراتی نے خاتمہ مجمع البحار میں بہت سے محدثین کے نزدیک اس کا بے اصل ہونا ذکر کیا ہے۔ جن محدثین نے ضعیف ہونے کے باوجود اسے قابل استدلال قرار دیا ہے وہ اس سے صحابہ کرامؓ کے درمیان اجتہادی مسائل میں اختلاف مراد لیتے ہیں جس کا فرقہ بندی سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

امت کا تہتر فرقوں میں تقسیم ہونا عذاب الٰہی کی ایک شکل ہے

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں امت کے تہتر فرقوں میں متفرق ہونے کا ذکر ہے، وہ حدیث اگرچہ بہت سے ائمہ (امام ترمذی، حاکم وغیرہ) کے نزدیک صحیح ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ امت کو فرقوں میں تقسیم ہونے کی تلقین کی گئی ہے بلکہ یہ تو دورِ فتن کی پیش گوئیوں میں سے ایک پیش گوئی ہے۔ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ ترجمان السنہ جلد نمبر ا میں تحریر فرماتے ہیں: پھر امت کے تہتر فرقوں کا مسئلہ کوئی عقیدہ کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ سلسلہ فتن وانقلابات کی پیش گوئی ہے اور اس امت پر عذاب کی صورتوں میں سے ایک صورت کا بیان ہے۔ اسی لیے امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو اس حدیث کے تتمے کے طور پر بیان کیا ہے جس میں اس امت کے بارے میں اسی قسم کی گمراہی میں مبتلا ہوجانے کی پیش گوئی کا ذکر ہے۔ جس میں بنی اسرائیل مبتلا ہوئے۔ پوری روایت ملاحظہ فرمایئے: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو باتیں بنی اسرائیل میں ہوئیں وہ ٹھیک ٹھیک میری امت میں ہوں گی حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے بے محابا اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا بد بخت ہوگا جو اس بے حیائی کا ارتکاب کرے گا اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹے گی ان سب فرقوں میں سے سوائے ایک فرقے کے سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ (ناجیہ) فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر پر چلنے والا ہوگا(۵)۔

امام بخاریؒ نے کتاب الاعتصام میں ایک باب قائم کر کے **لاتزال طائفۃ** کی حدیث نقل کی۔ یعنی میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی۔ اس کے بعد دوسرا باب قائم کیا اور یہ آیت تحریر فرمائی (**اویلبسکم شیعا**) ''خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہاری پارٹیاں بنا دے۔'' حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان دونوں بابوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت میں آئندہ اختلاف ہوگا، حتیٰ کہ حق پر قائم رہنے والا صرف ایک طائفہ رہ جائے گا۔ اس لیے آئندہ باب میں اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو انواع عذاب میں اختیار دیا گیا تو آپؐ نے عذاب کی تمام قسموں میں سے عذابِ افتراق کو پسند فرمالیا تھا کہ اس میں پہلی امتوں کی طرح آپؐ کی امت کا استیصال تو نہ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ اختلاف وتشتت یہ ایک عذاب ہے اور اہل باطل کی نشانی ہے(۶)۔

دوسرے لفظوں میں گویا امت کو بتا دیا گیا کہ تمہاری حیات و بقا اتفاق و اتحاد میں ہے جبکہ اختلاف و افتراق میں تباہی و موت مضمر ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کا آفاقی پیغام خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور میں پہنچ گیا تھا۔ جب آپ نے عثمان بن العاص ثقفی کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر فرمایا تو انہوں نے تھانہ (بمبئی) پر فوج کشی کے لیے ۱۵ ہجری میں ایک فوج مقرر کی جو سالم و غانم واپس گئی۔ اس فوج کی قیادت حضرت حکم بن العاص (گورنر عثمان بن العاص کے بھائی) کر رہے تھے اور ان کے صحابی ہونے کی تصریح علامہ ابن سعد نے طبقات میں اور علامہ ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں فرمائی ہے[۷]۔

شیعہ مسلک کی اشاعت

اس کے بعد مختلف ادوار میں مسلمان مبلغین کی تبلیغ سے مسلمانوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا، لیکن ان میں کسی فرقہ بندی کا پتہ نہیں چلتا۔ شیعہ مسلک فکر کے اکا دکا علماء کا تذکرہ ملتا ہے، لیکن اس مسلک کا شیوع دسویں صدی ہجری میں ہوا۔ جیسا کہ مولانا مفتی جعفر حسین صاحب مجتہد نے اپنے مقالہ میں تحریر فرمایا کہ نظام شاہ تاج دار دکن نے ۹۴۴ ہجری میں طاہر شاہ کی تبلیغ سے مذہب شیعہ اختیار کیا تو ان شیعی حکومتوں میں شیعوں کو آزادنہ مراسم دینی بجالانے اور دینی شعائر قائم کرنے کے وسیع مواقع ملے۔

بارہویں صدی ہجری میں سلطنت اودھ کی بنیاد قائم ہوئی۔ اودھ کے فرماں روا شیعہ تھے۔ جن کے دور میں مسجدیں اور عزا خانے تعمیر ہوئے۔ شیعی کتب کی اشاعت کے لیے مطبع سلطانی قائم ہوا اور مدارس دینیہ کی تاسیس عمل میں آئی۔ شیعی تعلیمات کے نشر اور عزاداری کے قیام میں رام پور، بیگن پلی، جاورہ، مرشد آباد وغیرہ ریاستوں اور نوابین بنگال، میران تال پور (سندھ) اور قزلباشان لاہور (پنجاب) نے نمایاں حصہ لیا[۸]۔

اس دور میں علماء اہل سنت اور علماء شیعہ کے درمیان اختلافی مسائل پر اگرچہ بحث و مباحثہ ہوتا رہا ہے اور ان مسائل کے بارے میں مستقل تصانیف بھی منظر عام پر آتی رہی ہیں، لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کے کتب خانوں سے استفادہ اور باہمی احترام کا سلسلہ قائم رہا۔

مکاتب اہل سنت کے اختلافات، حقیقی اختلافات نہیں

جہاں تک اہل سنت والجماعت کے تینوں مکاتب فکر (اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی) کا تعلق ہے، ان کے اکابر شیخ عبدالحقؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ محمد اسحاقؒ سب کے نزدیک محترم ومکرم ہیں۔ اسی طرح مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا فضل حق خیرآبادی اور شیخ الکل فی الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ اختلافی مسائل پر اظہار خیال کرتے ہوئے بھی اعتدال وتوازن اور باہمی احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور مختلف فیہ مسائل میں ان کا اختلاف بھی اصولی نہیں بلکہ فروعی ہے۔ جو نہ مذموم ہے اور نہ خلاف فطرت، البتہ اس پر فرقہ بندی کی بنیاد رکھنا مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ میں نے بہت سی عبارتیں جمع کی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ زیادہ تر اختلاف الفاظ اور تعبیرات کا ہے کوئی جوہری اختلاف نہیں ہے لیکن طوالت کے خوف سے یہاں درج کرنے سے احتراز کر رہا ہوں۔ صرف چند ایک مثالیں درج کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں جن سے اکابر کی وسعت ظرفی، فراخ دلی، عدم تعصب اور رواداری کا پتہ چلتا ہے کہ اختلاف کو باقی رکھتے ہوئے بھی ہم ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں اور اپنی توانائیوں کا رُخ اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کی بجائے کفر وفسق، فحاشی وعریانی اور جہالت وفساد کے مقابلے کی طرف موڑ سکتے ہیں کیونکہ جب بھی اہل اسلام کی توانائیوں کا رُخ فطری راستے، جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی طرف رہا، باہمی اتفاق واتحاد اور محبت ومودّت کے نتیجے میں امت کی قوت میں اضافہ ہوا لیکن جب یہ سلسلہ ترک کر دیا گیا یا کمزور ہوگیا تو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بقول جس چھت میں بارش کے نکلنے کا راستہ پرنالوں کے ذریعے نہ بنایا جائے تو پھر چھت کو توڑ کر اندر آتا ہے۔

اب اکابر اہل سنت والجماعت کی وسعتِ ظرفی اور انصاف پسندی کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کی رائے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں

مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری نے مجھ (مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی) سے بیان کیا کہ جن ایام میں کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے علم منطق کی تحصیل کرتا تھا، اختلاف مذاق ومشرب

کے سبب سے احناف سے میری گفتگو رہتی تھی۔ان لوگوں نے مجھ پر یہ الزام تھوپا کہ تم اہل حدیث لوگ ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرتے ہو۔میں نے اس کے متعلق حضرت میاں صاحب مرحوم دہلویؒ (یعنی شیخ الکل حضرت سید نذیر حسین صاحب مرحوم) سے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں کہا کہ ہم ایسے شخص کو جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے جھوٹا رافضی جانتے ہیں۔

علاوہ بریں میاں صاحب مرحوم معیار الحق میں حضرت امام کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:**امامنا سیدنا ابوحنیفہ النعمان افاض اللہ علیہ شابیب العفو والغفران** (ہمارے امام وآقا حضرت ابوحنیفہ النعمان، اللہ تعالیٰ ان پر عفو وبخشش کی بارشیں کرے)۔

نیز فرماتے ہیں کہ مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے۔ان کے فضائل میں آیت کریمہ (**ان اکرمکم عنداللہ اتقکم**) میں زینت بخش مراتب ان کے لیے ہیں(۹)۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم میرؒ سیالکوٹی کا ذاتی تجربہ

فیض ربانی: ہرچند کہ میں سخت گناہ گار ہوں لیکن یہ ایمان رکھتا ہوں اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولانا ابوعبداللہ عبیداللہ غلام حسن صاحب مرحوم سیالکوٹی اور جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم محدث وزیرآبادی کی صحبت وتلقین سے یہ بات یقین کے رتبے تک پہنچ چکی ہے کہ بزرگانِ دین خصوصاً حضرات ائمہ متبوعین سے حسن عقیدت نزول برکات کا ذریعہ ہے۔اس لیے بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے کوئی فیض اس ذرہ بے مقدار پر نازل کردیتا ہے۔

اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ (مسئلہ ارجاء) کے لیے کتب متعلقہ المباری سے نکالیں، اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کیں تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر غبار آ گیا، جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا یکا یک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا تو **ظلمات بعضھا فوق بعض** کا نظارہ ہوگیا۔معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو۔میں نے کلمات استغفار دہرانا شروع کیے تو وہ اندھیرے فوراً کافور ہوگئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کردیا۔

اس وقت میری حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصوں

سے جن کو حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت نہیں ہے، کہتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معارج قدسیہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے (افتمرونهٔ علی مایریٰ) میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہوشیاری میں دیکھ لیا، اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے (۱۰)۔

استاذ پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادیؒ

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص آئمہ دین خصوصاً امام ابوحنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا (۱۱)۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی وسعت قلبی اور مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے بارے میں حسن ظن

اختلافیات میں تو حضرت والا (مولانا اشرف علی تھانویؒ) کا مذاق باوجود احتیاط فی المسلک کے اس قدر وسیع اور حسن ظن کو لیے ہوئے ہے کہ مولوی احمد رضا خان بریلوی کی بھی، جن کی سخت ترین مخالفت اہل حق سے عموماً اور حضرت والا سے خصوصاً شہرہ آفاق ہے، ان کو برا بھلا کہنے والوں کے جواب میں دیر تک حمایت فرمایا کرتے تھے اور شدومد کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ ان کی مخالفت کا سبب واقعی حب رسول ﷺ ہی ہو اور وہ غلط فہمی سے ہم لوگوں کو نعوذ باللہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخ سمجھتے ہوں (۱۲)۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کی رائے علماء دیوبند کے بارے میں

چنانچہ پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے ایک جگہ فرمایا: مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کا زمانہ میں نے نہیں پایا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا محمود حسن دیوبندی کی زیارت ایک دفعہ کی ہے، مصاحبت کا اتفاق نہیں ہوا۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک دفعہ زیارت کی ہے اور ایک دفعہ وعظ بھی سنا ہے۔ اس سے زیادہ ان حضرات کے ساتھ مصاحبت کا اتفاق نہیں ہوا مگر میرا اعتقاد ان بزرگوں کے متعلق یہ ہے کہ یہ سب حضرات علماء ربانیین اور اولیائے امت محمدیہ میں سے تھے۔

احقر کو بعض مسائل میں ان سے اختلاف بھی ہے، مگر میرا اعتقاد یہی ہے اور اس اعتقاد کے اختیار کرنے کا سبب ان کی تصنیفات کا مطالعہ اور قبول عام ہے، بالخصوص حضرت مولانا اشرف علی تھانوی دامت برکاتہم کی خدماتِ طریقت پر نظر کر کے شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں (۱۳)۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی رائے، حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی کتب کے بارے میں

تو واقعی بریلوی حضرات کے سرکردہ عالم مولانا احمد رضا خان کی تحریر شستہ اور مضبوط ہے، جسے دیکھ کے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی احمد رضا خان صاحب ایک زبردست عالم دین اور فقیہ ہیں (۱۴)۔

حضرت خواجہ ضیاء الملۃ والدین زیب سجادۂ سیال شریف قدس سرہ

آپ حضرت قطب ربانی حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ (المتوفی: ۱۳۰۰ھ) کے پوتے اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی تحریک آزادیٔ ہندی سے بالکل متفق اور انگریزی اقتدار کے سخت مخالف تھے۔ جس زمانے میں حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب (بانی جامعہ محمدی شریف) تعلیم حاصل کرتے تھے، آپ کا سفر ہندوستان میں ہوا۔ (ان کی روایت ہے کہ) دارالعلوم کے ارباب اہتمام کو معلوم ہوا تو اثناء سفر میں آپ کو تشریف آوری کی درخواست پیش کی، جو آپ نے بخوشی قبول فرمائی۔ دیوبند ریلوے اسٹیشن پر دارالعلوم کے اساتذہ، طلبہ اور عوام کے جم غفیر نے آپ کا استقبال کیا۔ دارالعلوم میں مکمل چھٹی کر دی گئی اور ایک جلسہ منعقد کیا گیا اور آپ کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے دارالعلوم کی دینی، علمی و سیاسی خدمات کی تعریف کی۔ بعد ازاں آپ نے دارالعلوم کو ۲۰۰ روپے کا عطیہ بھی مرحمت فرمایا (۱۵)۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ اور نمونۂ سلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی اپنے رسالہ اسوۂ اکابر میں تحریر فرماتے ہیں: مولانا عبدالمنان صاحب ہزاروی خطیب صدر اوّل پنڈی نے مجھ (قاسمی) سے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت

مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ دیوبند سے کشمیر جاتے ہوئے رونق افروز لاہور ہوئے (مولانا عبدالمنان صاحب) اس سفر میں حضرت شاہ صاحب کے ہمراہ تھے، تو حضرت میاں صاحب کے متوسلین میں سے ایک صاحب نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حضرت میاں صاحب کے شوق ملاقات کا تذکرہ کیا تو حضرت شاہ صاحب نے سفر کشمیر سے واپسی پر شرقپور تشریف لے جانے کا وعدہ فرمایا۔ اور جب آپ کشمیر سے واپس لاہور تشریف لائے تو انہی صاحب نے وعدہ کی یاددہانی فرمائی چنانچہ آپ شرقپور تشریف لے گئے۔

اس سفر میں مولانا عبدالمنان صاحب کو حضرت شاہ صاحب کی ہمراہی کا شرف حاصل رہا۔ حضرت میاں صاحب نے حضرت شاہ صاحب کے ساتھ انتہائی اکرام واحترام کا معاملہ فرمایا بلکہ حضرت شاہ صاحب کو چند روپے اور چند کپڑے بطور ہدیہ پیش کیے اور رخصت کے وقت سواری پر سوار کرانے کے لیے باہر تشریف لائے۔

مولانا عبدالمنان صاحب موصوف نے میرے مضمون کی تائید کرتے ہوئے اس واقعہ کی مزید تفصیل بایں الفاظ بیان فرمائی ہے: حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کی خدمت میں حضرت شاہ صاحب کشمیری کی ہم رکابی میں حاضر ہوئی تو اس وقت حضرت میاں صاحب مکان کی بالائی منزل میں تشریف فرما تھے۔ حضرت کے خدام نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا: حضرت میاں صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ آپ پر تشریف لاتے ہیں تو بیٹھے ہوئے مہمان ان کے استقبال واکرام کے لیے کھڑے نہیں ہوتے، آپ خود ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: ویسا ہی کریں گے جیسا میاں صاحب کا طریقہ ہے۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب اطلاع ملنے پر تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے مصافحہ کیا، پھر چار پانچ منٹ تک خاموش رہے، پھر فرمایا: میں خداوند کریم کا شکر کس زبان سے ادا کروں، جس نے ایک مدت کی تمنا کو آج پورا کر دیا۔

اس کے بعد حضرت میاں صاحب نے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور دیگر اکابر دیوبند کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ان حضرات کو اب کہاں ڈھونڈیں گے۔ آپ نے حضرت شیخ الہند کے ایک خط کا بھی ذکر کیا اور فرمایا: میرے پاس موجود محفوظ ہے۔

حضرت میاں صاحب نے دو کپڑے، کرتہ، تہبند شاید پگڑی بھی لیکن پورا یاد نہیں اور پانچ

روپے کُرتے کی جیب میں ڈال کر حضرت شاہ صاحب کو ہدیہ پیش کیا اور ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت شاہ صاحب کو رخصت کرنے کے لیے بنفس نفیس موٹروں کے اڈہ تک تشریف لائے(۱۶)۔

حضرت خواجہ سید غلام محی الدین صاحب گولڑویؒ

آپ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ کے نورِ نظر تھے۔ مولانا کامل الدین اپنی تصنیف ''ڈھول کی آواز'' میں رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ ''تحذیر الناس'' کی عبارت پر بعض معترضین سے بحث ہوئی تو انہوں نے کہا کہ سیال شریف اور گولڑہ شریف سے فتویٰ لاؤ تو ہم مان جائیں۔ مولانا کامل الدین پہلے سیال شریف اور پھر گولڑہ شریف حاضر ہوئے، ہر دو مقامات سے سنہری تحریر پائیں۔

مولانا لکھتے ہیں: احقر گولڑہ شریف پہنچا، صوفی غلام نبی کی وساطت سے حضرت مولانا غلام محی الدین صاحب سجادہ نشین سے ملاقات ہوئی سب واقعہ بیان کیا گیا۔ انہوں نے مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ بہاولپور (خلیفہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ) کو (جو اتفاقیہ وہاں آئے ہوئے تھے) حکم دیا کہ آپ ان کو میری طرف سے لکھ دیں، انہوں نے الفاظ ذیل لکھے جو سونے سے لکھنے کے قابل ہیں:

''قال: میرا مذہب یہ ہے کہ علماء دیوبند مسلمان ہیں اور دین کا کام کر رہے ہیں۔ جو شخص ان کے حق میں برا کہتا ہے اس کا ایمان خطرے میں ہے۔ میرے قبلہ حضرت بڑے پیر صاحب (حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ) کا بھی یہی مذہب تھا۔ ختم'' (۱۷)

حضرت مولانا محمد چراغ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ میں باہمی محبت واحترام

استاذ مکرم حضرت مولانا محمد چراغ صاحبؒ فاضل دیوبند تھے جب کہ حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ صاحب سلفی اہل حدیث مکتبہ فکر کے مقتدر رہنما تھے۔ دونوں میں مثالی محبت و باہمی احترام تھا۔ حضرت مولانا محمد چراغ ان کی ملاقات کے لیے جامعہ محمدیہ چوک نیائیں گوجرانولہ تشریف لے جاتے تو اگر نماز کا وقت ہو جاتا آپ مولانا محمد چراغ کو امامت کے لیے مصلیٰ پر کھڑا کر دیتے۔ پھر جب حضرت کو الوداع کرنے کے لیے ان کے ساتھ نکلتے تو چلتے چلتے حضرت کی رہائش گاہ مسجد ارائیاں (فاصلہ تقریباً ایک کلومیٹر) تک پہنچ جاتے۔ حضرت اپنے دست مبارک سے ان کے لیے چائے تیار کرتے اور پھر فرماتے اب میں آپ کو الوداع کرنے کے لیے ساتھ چلوں؟

۱۹۵۱ء کے الیکشن میں حضرت مولانا محمد چراغ صاحب شہری حلقے کی سیٹ پر الیکشن لڑ رہے تھے جب کہ مولانا محمد اسماعیل سلفی دیہی علاقے سے۔ حضرت مولانا محمد چراغ صاحب حضرت سلفی کے حلقے میں جا کر ان کے حق میں تقریریں کرتے اور مولانا سلفی شہری حلقے میں مولانا محمد چراغ کے لیے ووٹروں سے اپیل کرتے اور تقریریں کرتے (۱۸)۔

حضرت خواجہ قمرالدین سجادہ نشین سیال شریفؒ

میں مولانا محمد قاسم صاحب کو اعلیٰ درجے کا مسلمان سمجھتا ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے۔ خاتم النّبیین کے معنی بیان کرنے میں جہاں مولانا کا دماغ پہنچا ہے وہاں تک معترضین کی سمجھ نہیں گئی (۱۹)۔ (تلک عشرة كاملة)

میں نے یہ چند مثالیں بیان کی ہیں۔ ورنہ تحریک آزادیٔ ہند، تحریک پاکستان، قرار دادِ مقاصد، اکتیس علماء کے بائیس نکات، تحریک ختم نبوت، تحریک غلام مصطفیٰ اور تحریک ناموس رسالت میں جس طرح علماء امت ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چلے ہیں اور باہمی احترام ومحبت، رواداری اور وسعت قلبی کے بہترین نمونے پیش کیے ہیں، وہ ہماری تاریخ کا سنہری باب ہیں۔ اگرچہ اسلام کے بعض نادان دوستوں نے اختلاف کی خلیج کو وسیع تر کرنے اور امت کا شیرازہ منتشر کرنے کا کام کر کے امت مرزائیہ اور منکرین سنت اور سیکولر طبقہ کو اسلام اور اہل اسلام پر طعن اور دشنام طرازی کے مواقع فراہم کیے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت قلیل اور ان کی تحریروں کا اثر وقتی ہوتا ہے۔ جب کہ امت اپنی فطرت ہی کی طرف لوٹتی ہے اور اب الحمدللہ! امت کی اکثریت اسی اتحاد واتفاق، باہمی احترام اور رواداری کے مناظر دیکھنے کی متمنی ہے۔ جس کی نظیریں اسوۂ اکابر میں ملتی ہیں اور آج کے علماء کرام کو دعوتِ تقلید دے رہی ہیں۔

حرفِ آخر

اس باپ کی مسرت وشادمانی کا تصور کیجیے جس کی اولاد میں محبت واتفاق، یک جہتی و یک دلی اور شفقت واحترام کا ماحول ہو، بالکل اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ فداہ ارواحنا واجسادنا و آبائنا وامھاتنا کے لیے بھی امت کا اتفاق واتحاد، یک جہتی و یگانگت مسرت وشادمانی کا موجب اور افتراق وانتشار حزن وملال کا باعث ہے۔

اپنی گزارشات کا اختتام حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد مبارک پر کرتا ہوں جو آپ کے خادم حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے: (لاتقاطعوا ولا تدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وکونوا عباداللہ اخوانا ولا یحل مسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاثۃ ایام) ”آپس میں قطع تعلقی نہ کرو، ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو، بغض وحسد نہ کرو، اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو اور کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے تین دنوں سے زیادہ قطع کلامی نہ کرے[۲۰]۔“ وصلی اللہ علی محمد النبی الامی وعلی الہ وسلم تسلیما کثیرا۔

(بشکریہ ماہنامہ چراغ اسلام، گوجرانوالہ)

حواشی

۱- آل عمران: ۱۰۳-۱۰۵
۲- الانفال: ۴۵، ۴۶
۳- صحیح مسلم
۴- رواہ احمد وابن ماجہ وترمذی
۵- جامع ترمذی، ص ۸۹
۶- ترجمان السنہ ج ۱ ص ۲۷، ۳۷
۷- مقدمہ تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل
۸- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مادہ شیعہ
۹- تاریخ اہل حدیث ص ۹۶، مکتبہ قدوسیہ، لاہور
۱۰- تاریخ اہل حدیث ص ۹۵، ۹۶
۱۱- تاریخ اہل حدیث، ص ۲۸۶
۱۲- اشرف السوانح از خواجہ عزیز الحسن مجذوب ص ۳۲ ادارہ تالیفات اشرفیہ
۱۳- چراغ سنت ص ۲۷۰، انوار قاسمی ص ۳۹۱
۱۴- طمانچہ ص ۴۰، بحوالہ رسالہ دیوبند ص ۲۱، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ
۱۵- حکایت مہر ووفا ص ۱۲، از سید نفیس الحسینی
۱۶- حکایت مہر ووفا ص ۱۴، بحوالہ دارالعلوم ماہ جون ۱۹۶۲ء
۱۷- حکایت مہر ووفا ص ۱۹ بحوالہ ڈھول کی آواز ص ۹۹، مطبوعہ ثنائی پریس سرگودھا
۱۸- ماہ نامہ چراغ اسلام ’چراغ نمبر‘ اپریل ۲۰۱۱ء
۱۹- فقیر قمر الدین سیال شریف حکایات مہر ووفا ص ۲۲ ڈھول کی آواز، مؤلفہ کامل الدین ص ۱۱۶
۲۰- مسلم وترمذی

اتحاد امت ادارہ

پاکستان اور عالم اسلام کو درپیش سلگتے مسائل پر سارے مکاتب فکر کے علماء کے مشترکہ پلیٹ فارم

'ملی مجلس شرعی' کے فیصلے

ملی مجلس شرعی کا ایک اجلاس ۱۴ جون ۲۰۱۵ء کو لاہور میں صدر مجلس مولانا مفتی محمد خاں قادری صاحب کی زیر صدارت ہوا جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام نے شرکت کی۔ایجنڈے کے نکات ایک ایک کر کے زیر بحث آئے اور اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل فیصلے ہوئے:

۱- **افکارِ غامدی**: سب شرکاء نے جاوید غامدی صاحب کے افکار کو مخدوش اور غیر اسلامی قرار دیا اور یہ طے پایا کہ مجلس کے صدر اور سیکرٹری مل کر ایک موزوں تحریر تیار کریں اور اس پر سارے علماء کے دستخط کرائے جائیں اور انہیں شائع کر دیا جائے تا کہ ان کے بارے میں سارے مکاتب فکر کے علماء کرام کی ایک جچی تلی رائے عوام وخواص کے علم میں آجائے اور ناواقف لوگ گمراہی سے بچ جائیں۔

۲-**ممتاز قادری کیس**: سپریم کورٹ میں ممتاز قادری کیس کے حوالے سے ججوں کا رویہ زیر بحث آیا اور اس بات پر سوچ بچار کی گئی کہ اگر عدالت عظمیٰ نے ممتاز قادری کے خلاف فیصلہ دے دیا تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ اکثر شرکاء کی رائے تھی کہ جب تک عوامی دباؤ نہیں بڑھایا جائے گا حکمران اور دوسرے لوگ شائد صحیح رویہ اختیار نہ کریں۔عوامی دباؤ بڑھانے کے مختلف وسائل زیر بحث آئے اور بالآخر یہ طے پایا کہ خاص اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی بنا دی جائے جو اس موضوع پر کام کرے۔حافظ محمد نعمان، مرزا محمد ایوب بیگ اور علامہ توقیر عباس کو اس کمیٹی کا رکن اور علامہ احمد علی قصوری صاحب کو اس کا کنونیز مقرر کیا گیا اور ان سے درخواست کی گئی کہ وہ ملی یکجہتی کونسل، تحریک حرمتِ رسول ﷺ اور دوسری تنظیموں اور مقتدر علماء کرام سے بھی رابطہ کریں اور اس کمیٹی کا لائحہ عمل طے کرنے کے لیے ایک اجلاس، ہو سکے تو رمضان شریف ہی میں، بلا لیں تا کہ اکتوبر ۲۰۱۵ء میں جب اس کیس کی شنوائی ہو تو اس سے پہلے کافی کام ہو چکا ہو۔

۳- **وفاقی شرعی عدالت کے ساتھ معاونت**: شرکاء نے مجلس کی انتظامیہ کو اجازت دی کہ وہ وفاقی شرعی عدالت میں دائر کیے گئے مختلف کیسوں میں معاونت کرے یا حسبِ ضرورت

خود ان کے لیے اقدامات کرے۔

۴-**فرقہ ورانہ دہشت گردی:** شرکاء مجلس نے سانحہ مستونگ، کوئٹہ کی ہزارہ کمیونٹی اور صفورا گوٹھ والے دہشت گردی کے واقعات کی مذمت کی اور کہا کہ فرقہ وارانہ دہشت گردی اسلام دشمنوں کی منصوبہ بندی ہے اور کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ اس غرض سے اپنے کندھے استعمال ہونے دے۔

۵-**روہنگیا مسلمان:** شرکاء مجلس نے روہنگیا کے مظلوم مسلمانوں سے ہمدردی کا اظہار کیا اور مسلمان ممالک پر زور دیا کہ وہ عالمی برادری کی مدد سے برما کی حکومت کو مجبور کریں کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کو بنیادی انسانی حقوق دے اور انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور نہ کرے۔ اور جو روہنگیا مسلمان دربدر ہو رہے ہیں، مسلم ممالک کو چاہیے کہ ان کی مدد کریں اور ان کی آبادکاری اور ان کو بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے مل جل کر منظّم انداز میں کام کریں۔

۶-**بھارتی رویہ:** شرکاء مجلس نے بھارتی حکومت اور میڈیا کی مذمت کی جو میانمار پر حملے کے بعد پاکستان کو دھمکیاں دے رہے ہیں اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ بھارتی وزیراعظم کے ڈھاکہ میں دے گئے بیان اور مداخلت کے اقرار کے بعد یہ معاملہ بھارت کے خلاف عالمی فورموں پر اٹھائے اور پاکستان کے خلاف اس کے دہشت گردانہ عزائم کو دنیا کے سامنے نمایاں کیا جائے۔

۷-**قضیۂ یمن:** سیکرٹری مجلس نے قضیۂ یمن کے مختلف پہلو شرکاء کے سامنے رکھے اور مناقشے کے بعد یہ طے ہوا کہ:

i- مجلس ساری دنیا کے مسلمانوں خصوصاً قضیۂ یمن میں ملوث حکومتوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اس امر کا ادراک کریں کہ اسلام و مسلم دشمن مغربی قوتیں انہیں آپس میں لڑا رہی ہیں لہٰذا فراست اور اخلاص کا تقاضا ہے کہ ان کی چالوں سے بچا جائے اور باہمی کدورتوں، نفرتوں اور اختلافات کو بڑھنے سے روکا جائے۔

ii- مجلس ملی سطح کے اداروں (جیسے او آئی سی) اور مسلم حکومتوں خصوصاً پاکستان سے درخواست کرتی ہے کہ وہ قرآنی حکم کے مطابق کہ اگر دو مسلمان گروہوں میں لڑائی ہو تو ان کا پہلا

کام یہ ہے کہ وہ ان کے درمیان صلح وصفائی کی کوشش کریں۔ پھر اگر کوئی گروہ صلح نہ کرے اور ظلم و عدوان پر مصر ہو تو پھر سب مل کر اس سے لڑیں اور اسے صلح پر مجبور کریں۔ لہٰذا اس وقت پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ملی ادارے اور مسلمان حکومتیں متحارب فریقین کو ایک میز پر بٹھائیں اور ان کے درمیان صلح صفائی اور سیاسی تصفیے کی کوشش کریں۔ اگر اخلاص سے کوشش کی جائے تو توقع ہے کہ اس قضیے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا، ان شاء اللہ۔ مجلس نے حکومت پاکستان پر زور دیا کہ وہ اس ضمن میں سستی اور بے حسی چھوڑ کر فعال کردار ادا کرے۔

iii- سیکرٹری مجلس کی اس تجویز پر کہ ملی مجلس شرعی کا ایک وفد ایران اور سعودی عرب کا دورہ کرے اور متعلقہ لوگوں سے مل کر صلح دامن کے ملی جذبات ان تک پہنچائے اور ڈائیلاگ کرے اکثر شرکاء کی رائے تھی کہ یہ تجویز مجلس کے قد سے بڑی ہے اور غالباً اس کے دائرہ کار سے بھی باہر ہے۔ تاہم بحث ومناقشے کے بعد طے پایا کہ سیکرٹری مجلس اس ضمن میں اپنی تجاویز وسفارشات مرتب کر کے صدر مجلس کو دکھائیں جو مناسب سمجھیں تو یہاں متعلقہ حلقوں کو بھجوا دی جائیں اور ان کے ردّعمل کو دیکھ کر کوئی فیصلہ کیا جائے۔ (مرتب: ڈاکٹر محمد امین، سیکرٹری جنرل)

شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں ایک مشن ہے۔ اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کوشش کیجیے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔ خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنائیے۔

زرِاعانت سالانہ 400 روپے تاحیات 5000 روپے

نام.................................. پتہ..................................

..................................فون..................................

چیک اور منی آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ 136 نیلم بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور بھجوائیے

ٹرسٹ کو دیے جانے والے عطیات ٹیکس سے مستثنیٰ ھیں

رمضان المبارک

پروفیسر ڈاکٹر مزمل احسن شیخ

ماہِ رمضان: نیکیوں کا موسمِ بہار

اللہ کے فضل سے ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ اتفاقیہ اور پیدائشی طور پر مسلمان ہیں۔ ہمارا نام ''مسلم'' بھی اللہ ارحم الراحمین نے رکھا ہے۔ ہمارے لیے مبارکیں ہی مبارکیں ہیں اور جنت کی خوش خبریاں بھی رحمت اللعالمین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

توحید سے جنت: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کلمہ طیبہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا اقرار کیا اور اسی مبارک کلمے پر خاتمہ ہوگیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

روزے سے جنت: جس مومن شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک دن کا روزہ (نفل) رکھا اور اسی حالت میں خاتمہ ہوگیا تو وہ بھی سیدھا جنت میں جائے گا۔

صدقہ کرنے سے جنت: جس مومن نے اللہ کی رضا کی خاطر صدقہ کیا اور اسی وقت اس کا خاتمہ ہوگیا تو بھی اللہ کی رحمت سے جنت میں جائے گا۔ (مسند احمد میں اس حدیث کے راوی جناب حذیفہؓ ہیں)

تین ص: تینوں فرائض صرف ص سے شروع ہوتے ہیں اور تینوں ہی فرض ہیں۔ کلمہ طیبہ کے بعد صلوٰۃ خمسہ (پانچ نمازیں) تو اسی وقت فرض ہیں۔ صوم یعنی روزہ شہر رمضان میں فرض ہے اور صدقہٴ لازمی (زکوٰۃ) امیروں پر سال میں ایک بار فرض ہے۔

جنت کی آرائش وتزئین: سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق رمضان المبارک کے استقبال کے لیے گیارہ مہینے جنت سجائی جاتی ہے۔

رمضان مبارک کے اعمال

تلاوت قرآن مجید: شہر رمضان میں قرآن نازل ہوا جس سے یہ مہینہ اونچی شان والا بنا۔ لہٰذا ہم زیادہ سے زیادہ تلاوت کریں۔ ترجمہ تفسیر کے ساتھ، یقین وایمان کے ساتھ، عمل پیرا ہوکر استقامت کے ساتھ تاکہ قرآن مجید کی شفاعت نصیب ہو اور ہم بھی اونچی شان والے بنیں۔

سماعت قرآن مبین (قیام اللیل): صلوٰۃ تراویح میں رات کو قرآن مبین کی سماعت کے لیے قیام کرنا۔ یہ تہجد ہے، قیام رمضان ہے، ان نفلوں کا اجر فرض جتنا ملتا ہے۔ باجماعت سے تو

روح وجسم کے وجد اور وجدان کا کیا کہنا؟ سبحان اللہ، یقیناً اس سے قبر کے نور کا حصول بھی ہوتا ہے۔لہٰذا تراویح ضرور ادا کیا کریں۔

رمضان میں عمرہ کا حج کے برابر ثواب: رمضان کا عمرہ ایسے ہے جیسے حج رسول اللہ کی معیت میں ادا کرنے کی سعادت مل گئی۔

افطاری کا اہتمام: فرحت کا حصول: بسم اللہ سے ہی افطاری کیجیے، کہیں روزہ کھولتے وقت بسم اللہ نہ بھول جائیں۔سنت کے مطابق دعائیں یاد کر کے ضرور کیجیے کہ قبولیت دعا کا قیمتی وقت ہے کہیں کھانے کی نظر ہی نہ ہو جائے۔دعا مومن کا ہتھیار ہے۔کوشش کیجیے کہ غریبوں، مسکینوں، محتاجوں، مستحق لوگوں اور عزیزوں کو افطاری میں شریک کریں۔اس سے روزے دار جتنا ہی اجر ملتا ہے۔

رزق حلال کا اہتمام قبولیت عبادت کے لیے لازم: حرام روزی سے کوئی بھی عبادت شرف قبولیت نہیں پاتی، روزہ تو پھر روزہ ہے جو ہمیں حلال کھانے پینے اور حلال قرب زوجہ سے بھی روک دیتا ہے۔

قطع رحمی سے بچیے، صلح کر لیجیے: عبادات کے مردود ہونے میں قطع رحمی کا بڑا دخل ہے۔تین دن سے زیادہ عام مسلمانوں سے قطع تعلقی مرتے ہی جہنم میں لے جاتی ہے چہ جائیکہ والدین یا رشتہ داروں بلکہ بیوی بچوں سے قطع تعلقی ہو۔اب صلح کر لیجیے۔غصہ جانے دیجیے۔اللہ کے غصے سے بچ جائیے۔

صلوٰۃ جمعہ کا خصوصی اہتمام کیجیے: سید الایام جمعۃ المبارک ملت اسلامیہ کا شعار ہے اور فرض ہے۔رمضان المبارک میں جمعہ کے لیے خاص اہتمام کیجیے۔رسول اللہﷺ نے فرمایا ''آج سے لے کر قیامت تک جمعہ تم لوگوں پر فرض ہے۔جو شخص اسے ایک معمولی چیز سمجھ کر یا اس کا حق نہ مان کر اسے چھوڑ دے۔اللہ اس کا حال درست کرے نہ اسے برکت دے۔آگاہ ہو جاؤ، خوب سن رکھو! اس کی نماز نماز نہیں۔اس کی زکوٰۃ زکوٰۃ نہیں۔اس کا حج حج نہیں۔اس کا روزہ روزہ نہیں۔اس کی کوئی نیکی نیکی نہیں۔جب تک وہ توبہ نہ کرے۔پھر جو توبہ کر لے (اور نماز، روزے، جمعہ کی پابندی کرے) تو اللہ اسے معاف فرمانے والا ہے (ابن ماجہ)

اللہ رب کریم کا عظیم احسان: اللہ کی طرف سے یہ بڑا انعام ہے کہ اس دفعہ رمضان المبارک کے اول تا آخر کل پانچ جمعے نصیب ہوں گے۔کتنا عظیم احسان ہے اللہ کا۔

میڈیا

پروفیسر ملک محمد حسین ☆

چینل دہشت گردی اور علماء کرام

لوگوں کی نظروں میں دہشت گردی یہ ہے کہ کوئی شخص ہجوم میں بم بلاسٹ کر کے بہت سے لوگ مار ڈالے، یا آتے جاتے لوگوں کی ٹارگٹ کلنگ کرے یا کسی بس کو روک کر فائرنگ کرے اور درجنوں لوگ مار ڈالے۔ بلاشبہ یہ سب کام بدترین دہشت گردی کے کام ہیں لیکن دہشت گردی کا یہ صرف ایک پہلو ہے۔ یہ بھی دہشت گردی ہے کہ کوئی اپنے ظالمانہ اختیارات کو استعمال کر کے ہزاروں لاکھوں لوگوں کے معاشی حقوق کا قتل عام کرے اور انہیں بھوکا ننگا کر دے۔ یہ بھی دہشت گردی ہے کہ دفتروں میں بیٹھے ہوئے چھوٹے بڑے بابو، لوگوں کے جائز کاموں میں رکاوٹیں ڈال کر انہیں ایک طرف ذہنی مریض بنائیں اور دوسری طرف ان کی جیبوں پر ڈاکے ڈالیں۔ اور یہ بھی دہشت گردی ہے کہ مقتدر سیاستدان اپنے اقتدار کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے ملکی وسائل کو بے دریغ طریقے سے لوٹیں اور ملک وقوم کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کریں۔ دہشت گردی کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس کا ادراک بدقسمتی سے شاید ہی کسی کو ہو۔ اس دہشت گردی کو میں چینل دہشت گردی کا نام دوں گا جو ملک کے ایک سو سے زیادہ ٹی وی چینل پھیلا رہے ہیں۔ فحاشی، بدمعاشی، اباحیت، برہنگی، ڈس انفارمیشن، ذہنی پراگندگی اور نفسیاتی بیماریوں کو فروغ دینے والے جنسی مناظر اور نہ جانے کیا کچھ ان چینلز کے مالکان، ان چینلز پر کام کرنے والے غیر ذمہ دار صحافی اور بزعم خود "ہم چوں ما دیگرے نیست" کی ذہنی بیماری میں مبتلا اکثر و بیشتر اینکر پرسنز بالخصوص خواتین ناظرین اور سامعین کی بصارت وسماعت پر انڈیل رہے ہوتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ خبروں کو بھی انڈین ناچ گانوں کا تڑکا لگا کر پیش کیا جاتا ہے۔ پھر خبرناموں کے وقفوں میں گندے مناظر سے بھرپور اور اچھل کود سے مخمور کمرشلز دکھائے جاتے ہیں وہ جن کو ہم بہت بُرا کہتے ہیں یعنی مغربی ٹی وی چینلز ان کے خبروں والے چینلز خبروں کے دوران کوئی گندے کمرشل اشتہارات نہیں دکھاتے۔ گویا آپ پاکستان میں خبریں بھی سماعت وبصارت کے گناہ سے بچ کر نہیں دیکھ سکتے۔ ٹی

☆ ماہر تعلیم، دانشور 0333-4404260

وی چینلز کی یہ زبردستی اور دہشت گردی ہے کہ آپ اُن کا گند آنکھوں اور کانوں میں انڈیلے بغیر نہیں رہ سکتے۔

یہاں تک بات رہتی تو شاید کہا جا سکتا تھا کہ بھئی آپ اتنے پارسا ہیں تو ٹی وی چینلز کے خبر نامے بھی نہ دیکھیں۔ لیکن کیا کریں کہ ان ٹی وی چینلز کے دینی پروگرام بھی گندے کمرشلز سے پاک نہیں ہیں۔ آپ انیق احمد کا پروگرام ’’پیامِ صبح‘‘ دیکھ رہے ہوتے ہیں اور روح پرور گفتگو جاری ہوتی ہے کہ وقفہ آ جاتا ہے اور اس وقفے میں روح پروری اور ذہنی بالیدگی جو آپ نے حاصل کی ہوتی ہے وہ کمرشلز کے رطب و یابس میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ آپ ’’دین و حکمت غامدی کے ساتھ‘‘ کا پروگرام دیکھنا چاہتے ہیں لیکن کمرشل فحاشی کے ساتھ ایک خاتون اینکر پرسن بال کھولے سامنے تشریف فرما ہے۔ اب آپ غضِ بصر کا کیا کریں۔ ٹی وی چینلز کو پیسے کمانے کی اتنی لت لگ گئی ہے کہ دینی پروگرام بھی ان کے حرص اور لالچ سے نہیں بچ سکے۔ یہاں تک تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ بھئی ٹی وی پروگراموں سے اجتناب کرو لیکن اس کا کیا ہو کہ ہمارے معزز علماءِ کرام ٹی وی چینلز پر سیاسی مباحثوں میں حصہ لیتے ہوئے خواتین اینکرز جو اپنے تمام نسوانی ہتھیاروں سے لیس تشریف فرما ہوتی ہیں، جارحانہ سوالوں کی بوچھاڑ کر رہی ہوتی ہیں۔ مولوی صاحب بولنا شروع ہی کرتے ہیں تو کوئی اور جارحانہ، احمقانہ اور سوقیانہ قسم کا سوال داغ کر مولوی صاحب کو ہکلانے پر مجبور کر دیتی ہیں ساتھ ہی پینل میں جو مخالف شخص یا اشخاص بٹھا رکھے ہوتے ہیں انہیں مولوی صاحب کے بار بار لتے لینے کا پورا موقع دیتی ہیں اور اس مباحثہ کا حاصل کلام دین کی سبکی، علماءِ دین کی بے عزتی اور سیکولر سوچ کی بالادستی ہوتا ہے۔ ایک حضرت مولانا قوی صاحب نامی شخص ہیں وہ تو خیر شاید ٹی وی چینلز پر خواتین اینکرز کے سامنے بے عزت ہو کر انجوائے کرتے ہیں لیکن مفتی نعیم صاحب جیسے ثقہ اور سنجیدہ عالمِ دین، ماضی میں منور حسن صاحب جیسے بالغ نظر سیاستدان، جمعیت علماءِ اسلام، جماعتِ اسلامی اور اسی طرح کی سنجیدہ اور باوقار دینی سیاسی جماعتوں کے ذمہ داران پتہ نہیں کس مصلحت کے تحت ٹی وی چینلز پر مخالف ذہن خصوصاً خواتین اینکرز کے ہاتھوں بے حرمت ہونے کے لیے خوشی خوشی تیار ہوتے ہیں۔ ہم جیسے محبانِ دین اور خاک پایانِ علماءِ حق کے لیے تو ٹی وی چینلز کی یہ دہشت گردی بالکل نا قابلِ برداشت ہے۔

ٹی وی چینلز کی دہشت گردی کو بالکل کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ حکومت تو کیا روک ٹوک کرے گی

کم از کم علماءِ کرام کو تو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہیے۔علماءِ کرام کو اول تو خواتین اینکرز کے سامنے بیٹھ کر پروگراموں میں حصہ لینے سے اجتناب کرنا چاہیے اور اگر وہ اس کو انتہا پسندانہ رویہ سمجھتے ہوں تو کم از کم خاتون اینکر کا اسلامی حدود ستر کے مطابق ملبوس ہونے کی شرط تو رکھنی چاہیے۔ پروگرام سے پہلے کچھ شرائط کرانا چاہیے کہ شریک گفتگو کو بات مکمل کرنے کا موقع ملے اور درمیاں میں ٹپک کر سوال در سوال کر کے پروگرام کو اپنی مرضی کے مطابق موڑنے کا رویہ نہیں ہونا چاہیے۔اس سے ناظرین کی حق تلفی بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی کی پوری رائے نہ سُن سکیں اور محض اینکر پرسنز کی ابلاغی دہشت گردی سے ہی اپنا ذہن پراگندہ کر کے اُٹھیں۔ دینی پروگرام کرنے والے علماءِ کرام اور محترم انیق احمد جیسے سنجیدہ اور متوازن ذہن کے مالک اینکر پرسنز کو پیشگی مطالبہ رکھنا چاہیے کہ دینی پروگراموں میں کمرشل وقفہ نہیں ہوگا تاکہ تسلسل قائم رہے اور دین کی بات مربوط طریقے سے ناظرین تک پہنچ سکے۔ٹی وی چینلز جس طرح نظریہ پاکستان، قراردادِ مقاصد، بنیادی انسانی حقوق اور دستور کے آرٹیکل 31 کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں پیمرا کو اور اسلامی نظریاتی کونسل کو اس کا نوٹس لینا چاہیے اور معاشرے کو صاف ستھری اور درست انفارمیشن کے ساتھ صاف ستھری تفریح مہیا کرنے کے لیے کوئی ضابطہ اخلاق بنا کر اسے پارلیمنٹ کے ایکٹ کے ذریعے نافذ کرنا چاہیے۔

''پاک ہے میرا رب جو دلوں کا حال جانتا ہے مگر پھر بھی دنیا کے سامنے ہمیں رسوا نہیں کرتا۔کریم اتنا ہے کہ نیکی کے ارادے پر ثواب دیتا ہے مگر گناہ کرنے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر اسے ثواب میں بدل دیتا ہے۔ میں اپنے رب کی کس کس نعمت کا شکر ادا کروں''۔

(ڈاکٹر ادریس لودھی)

 ڈاکٹر محمد امین

تزکیۂ نفس - چند بنیادی مباحث (۳)

(سوالاً جواباً)

سوال: تصوف کے اچھے اور بُرے پہلوؤں کے بارے میں مجمل گفتگو کافی نہیں بلکہ اس کے ایک ایک جزو کے بارے میں وضاحت سے بتایئے کہ یہ صحیح ہے یا غلط؟ مثلاً یہ بتایئے کہ یہ جو ہمارے ملک میں تصوف کی گدیاں قائم ہیں اور خاندانوں کی سجادہ نشینی کا سلسلہ ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: تزکیۂ نفس کے فن یا مہارت کا وراثت سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ بتدریج خانقاہیں وجود میں آ گئیں یعنی ایسی مخصوص جگہیں جہاں لوگوں کے تزکیے کے لیے کوئی مزکّی یا مرشد موجود ہوتا تھا۔ جو شخص تزکیے کا طالب ہوتا، وہاں ہر وقت بلا تکلف آ تا جاتا۔ بعض لوگ کچھ عرصے کے لیے وہاں رہائش رکھ لیتے۔ قریبی آبادی کے لوگ یا اس مزکی اور مرشد سے تعلق خواطر رکھنے والے لوگ ان طالبانِ تزکیہ کی رہائش اور خوراک کا انتظام کر دیتے۔ بعض نیک حکمرانوں نے اس کارِ خیر میں سہولت پیدا کرنے کے لیے زمینیں ان خانقاہوں کے لیے وقف کر دیں۔ اس طرح کے مزکیوں میں سے اگر کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کی خواہش پر یا اس کے متعلقین کی خواہش پر اس کے شاگردوں میں سے اہل تر شخص اس کی جگہ لے لیتا۔ یہ اصل صورتِ حال تھی لیکن جب لوگوں میں دنیاداری آ گئی اور دنیا کی محبت آخرت کے تقاضوں پر غالب آ گئی اور تزکیہ کوئی ترجیح نہ رہا تو یار لوگوں نے سوچا کہ جائیداد خاندان سے باہر کیوں جائے؟ چنانچہ گدّیاں، خانوادے اور سجادہ نشانیاں وجود میں آ گئیں جن کا اصل تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔

بے علم اور سادہ لوح لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگوں کی اولاد ہیں، یہ بھی ہمیں فیض پہنچا سکتے ہیں۔ یہ بیچارے نہیں جانتے کہ تقویٰ، نیکی اور علم اکتسابی امور ہیں اور بغیر محنت کے محض کسی نیک آدمی کے گھر پیدا ہو جانے سے حاصل نہیں ہو جاتے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے کے بارے میں فرمایا کہ وہ تمہارے اہل میں سے ہی نہیں ہے اور اسے ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ اور

دوسرے عزیزوں سے فرمایا کہ تمہارے اپنے اعمال کام آئیں گے میرے سہارے پر نہ رہنا۔ بدقسمتی سے آج ہمارے ہاں بیسیوں خانوادے ایسے ہیں جن کے سجادہ نشین سیاسی رہنما ہیں، ان کے اخلاقی ''کارنامے'' اظہر من الشمس ہیں، ان میں دین کی کوئی رمق نہیں لیکن شریعت سے ناواقف سادہ لوح لوگ ان کو پیر مانتے ہیں، انہیں نذرانے دیتے ہیں، ان کے ہاتھ چومتے ہیں، ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔

سوال: کوئی بزرگ اگر فوت ہو جائیں تو کیا ان کا فیض بعد میں بھی جاری رہتا ہے؟

جواب: تزکیۂ نفس کی جو وضاحت ہم نے سطورِ بالا میں کی ہے وہ اگر ذہن میں رکھی جائے تو شائد اس سوال کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ تصوف سے مقصود ہے تزکیۂ نفس اور اعمالِ شریعت بجا لانے میں موانع کو دور کرنا تاکہ بہترین طریقے سے احکامِ شریعت پر عمل کر کے ترکِ معصیت سے بچا جا سکے اور درجۂ احسان حاصل کیا جا سکے۔ یہ محنت طلب کام مردہ تو کیا زندہ لوگوں میں سے بھی لاکھوں نیک لوگوں میں سے کوئی ایک ہی کر سکتا ہے اور اس میں بھی طالبِ تزکیہ کا اس کے شخصی کردار کے بارے میں ذاتی اطمینان اور اس سے طبعی مناسبت ضروری ہے لہٰذا یہ سوچنا ہی حماقت ہے کہ کوئی نیک شخص مرنے کے بعد بھی اس سلسلے میں کسی کی کچھ مدد کر سکتا ہے۔

جہاں تک بعض لوگوں کے اس عقیدے کا تعلق ہے کہ آدمی مر جاتا ہے لیکن اس کی روح زندہ رہتی ہے اور بعد میں بھی فعّال کردار ادا کرتی ہے تو قرآنِ حکیم اور صحیح احادیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا لہٰذا اہم تزکیۂ نفس جیسے اہم دینی فریضے کو ظن و تخمین کے حوالے نہیں کر سکتے۔

جہاں تک مرے ہوئے بزرگوں سے مدد مانگنے، حاجتیں پوری کروانے یا ان سے اللہ کے حضور سفارش کروانے جیسے عقیدوں کا تعلق ہے تو یہ اسلام کے تصورِ توحید کے خلاف ہیں۔ جب وہ حی و قیوم ہے، زندہ ہے، ہر جگہ موجود ہے، سب کی سنتا ہے تو ان واسطوں کی کیا ضرورت ہے؟ ان بزرگوں کی نیکیاں ان کے کام آئیں گی اور ہم اپنی بداعمالیوں کے لیے خود ہی جوابدہ ہوں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے قبروں پر جانے کا صرف ایک ہی مصرف بتایا ہے اور وہ ہے عبرت پکڑنا اور اپنی موت کو یاد کرنا، تاکہ آدمی کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے اور اس کے اعمال سنور جائیں اور اس کی اجازت بھی صرف مردوں کو دی عورتوں کو نہیں لیکن ہمیں باقی باتیں تو یاد رہتی ہیں حضور ﷺ کی صرف یہی بات یاد نہیں رہتی۔ بحرمۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ

سے دعا مانگنے کو البتہ بعض علماء کرام جائز قرار دیتے ہیں۔

سوال: بزرگوں کے عرس پر جانے کا بھی کوئی فائدہ ہوتا ہے؟

جواب: عرس عربی میں شادی کو کہتے ہیں گویا دو چاہنے والوں کے لیے موقعہ وصال۔ اردو میں عروسی جوڑا اور عروسی زیورات کے الفاظ عام مستعمل ہیں۔ عرس منانے کے پیچھے تصور یہ ہے کہ ایک شخص جو اللہ سے محبت کرتا تھا، جب مر گیا تو وہ اللہ کے پاس چلا گیا اور گویا چاہنے والے کو محبوب کا وصال میسر آ گیا۔ اللہ سے محبت اور شادی و وصال کا یہ خالص دنیوی تصور ظاہر ہے کہ ایک فضول تصور ہے جو ذوقِ نفیس پر گراں گزرتا ہے۔ اسلام میں اللہ سے قربت کا محض یہ مطلب ہے کہ اللہ سے محبت کی جائے تا کہ اس کے احکام کی اچھی طرح اطاعت کی جا سکے اور تا کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور آخرت میں ہمیں اپنی خوشنودی اور اپنی نعمتوں سے نوازے۔ اسے دنیوی عشق و محبت جیسی چیز قرار دینا ایک فضول حرکت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ عرس منانے کا کام نیک اور بزرگ لوگ خود نہیں کرتے بلکہ جب وہ فوت ہو جاتے ہیں تو ان کے سجادہ نشین یہ حرکت کرتے ہیں جس کے پیچھے اکثر دولت کی ہوس اور دنیا کی محبت ہوتی ہے کہ مرید اکٹھے ہوں، نذرانے دیں، باہم میل جول ہو اور کاروبارِ تصوف خوب پھلے پھولے تا کہ سجادہ نشیں کی تجوری ہر سال بھرتی رہے۔ اس رسم کا بھلا تزکیۂ نفس سے کیا تعلق؟ اور بیچارے فوت ہو جانے والے نیک بزرگ کو اس عرس کا کیا فائدہ؟ اور یہ صورت تو اس وقت ہے جب کوئی نیک بزرگ فوت ہو۔ ہمارے لوگوں کا کیا ہے وہ تو ''گھوڑے شاہ'' کا مزار بنا کر اس کا عرس بھی شان و شوکت سے مناتے ہیں اور بیچارے سادہ لوگ لوگ ''ثوابِ دارین'' حاصل کرنے کے لیے جوق در جوق وہاں تشریف لے جاتے ہیں۔

بعض جگہوں پر عرس کو میلہ بھی کہتے ہیں۔ گویا لوگوں نے ان عرسوں کو میلا ٹھیلا بنا لیا ہے۔ جو اجتماع اور تفریح کا ایک موقعہ فراہم کرتا ہے۔ جہاں موسیقی بجتی ہے، رقص ہوتے ہیں، طوائفیں جمع ہوتی ہیں، جوئے چلتے ہیں وغیرہ وغیرہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ظاہر ہے بیچارے تزکیۂ نفس کا یہاں کیا کام؟ یہ تو شیطان کے متبعین کی جنت ہے۔ یہ واضح رہے کہ عرس کی تو کوئی شرعی حیثیت نہیں تاہم لوگ اگر ایک دن مقرر کر کے کسی جگہ کھیل کود، تفریح اور تجارت وغیرہ کے لیے جمع ہوں اور اس میں کوئی امر خلافِ شریعت نہ ہو تو اس کا جواز شائد نکل آئے کہ اسلام بہر حال کھیل کود اور

تفریح کا مخالف نہیں ہے۔

سوال: اللہ کے نیک بندوں کی پہچان کیا ہے؟ یعنی کیسے پتہ چلے کہ کوئی شخص اللہ کا ولی ہے یا نہیں؟

جواب: ولی اللہ ہونا کوئی منصب، کوئی خاص عہدہ یا عام مسلمانوں سے الگ کسی خاص کیفیت یا خوبیوں کا حامل ہونا نہیں ہے۔قرآن وسنت کی رو سے ہر وہ مسلمان جو شریعت کے احکام اچھی طرح بجالاتا ہو وہ اللہ کا ولی ہے۔ولی عربی لفظ ہے جس کے معنی دوست کے ہیں۔اس طرح ہر مسلمان اللہ کا ولی ہے لیکن بعض بےعلم اور سادہ لوح لوگ سمجھتے ہیں کہ ولی اللہ وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہوں۔

۱- جس کی دعائیں قبول ہوتی ہوں اور جس سے کرامتیں صادر ہوتی ہوں۔یہ ایک فضول شرط ہے کیونکہ دعائیں قبول کرنا محض اللہ کی مشیت ہے وہ جب چاہے اپنے کسی بندے کی درخواست قبول کرے اور جب چاہے نہ کرے۔اس میں کسی انسان کا کوئی زور نہیں چل سکتا۔نیز دعائیں تو وہ گنہگاروں کی بھی سنتا ہے اور کافروں کی بھی قبول کرتا ہے۔اسی طرح کرامتوں کا صدور بھی کسی نیک شخص کے بس میں نہیں ہوتا۔یہ محض اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہوتا ہے۔نبی کریمﷺ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ آپﷺ کو کوئی ایسا حسّی اور نمایاں معجزہ دیا جائے جسے دیکھ کر کافر مسلمان ہو جائیں یعنی خواہش یہ تھی کہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور آگ سے بچ جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ ادا پسند نہ آئی اور فرمایا کہ پھر زور لگا دیکھو، آسمان پر سیڑھی لگا لو یا کوئی سرنگ کھود لو۔جب پیغمبر دو جہاںﷺ کا یہ معاملہ ہے تو اللہ کے کسی نیک بندے کا یہ معیار مقرر کرنا کہ اس سے کرامتیں صادر ہوں اور اس کی ہر دعا قبول ہو، ایک نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔

۲- بعض لوگوں کے نزدیک ولی اللہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ گندے کپڑے پہنے ہوئے ہو، اس کے بال بڑھے ہوئے ہوں اور وہ ہفتوں سے نہایا نہ ہو۔ایسے آدمی کو سادہ لوح لوگ مجذوب سمجھتے ہیں۔

یہ سادگی، حماقت اور غیر اسلامی رویوں کو اچھا سمجھنے کی انتہا ہے۔سیدھی سی بات ہے کہ جو شخص اللہ اور رسولﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرے وہ ولی اللہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا کہ صفائی جزوِ ایمان ہے۔آپﷺ خود ہر وقت صاف ستھرے رہتے تھے اور

صحابہؓ کو بھی صاف ستھرا رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ پانچ وقت مسواک کرتے تھے اور اس کی بڑی تاکید کرتے تھے۔ ایک امیر آدمی نے ایک دفعہ معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے برا منایا اور فرمایا کہ اللہ نے جو نعمت انسان کو دے رکھی ہو اسے وہ استعمال کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں بھی فرمایا ہے کہ دنیا کی یہ نعمتیں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ لہٰذا جو شخص گندے کپڑے پہنتا ہے، گندا رہتا ہے وہ تو اللہ و رسول ﷺ کے احکام کا مخالف ہے۔ وہ ولی کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ اگر منشیات کا عادی ہے، کسی صدمے یا غلط طریقے سے کثرت اشغال وغیرہ کی وجہ سے اس کا دماغ الٹ گیا ہے تو اس سے ہمدردی کی جاسکتی ہے، اس کا علاج کرایا جاسکتا ہے لیکن اس سے تزکیۂ نفس نہیں کرایا جاسکتا۔

۳۔ بعض لوگ اس شخص کو ولی اللہ سمجھتے ہیں جو سبز چوغا پہنے، گلے میں لمبی سی منکوں کی مالا ڈالے، تسبیح لٹکائے، لمبی سی داڑھی رکھے، ہاتھ میں عصا تھامے ہو......

کتبِ احادیث اس پر گواہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تمام عمر وہی لباس پہنا ہے جو اس معاشرے کے عام لوگ پہنتے تھے اور کبھی کوئی ایسا لباس نہیں پہنا جو دوسرے لوگوں سے آپ ﷺ کو منفرد کرتا ہو۔ لہٰذا آپ ﷺ کی اتباع میں آج بھی ایسا لباس پہننا جو عام لوگوں سے مختلف ہو آپ ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی ہے لہٰذا عام لوگوں سے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لیے سبز چوغا یا سبز پگڑی یا سیاہ کوئی ''لباس تقویٰ'' پہننا صحیح نہیں ہے۔ منکے اور تسبیح پہن کر اپنے آپ کو عابد وزاہد باور کرانا بھی غلط ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں اس کا سبب یا تو کم علمی اور خود فریبی ہے یا پھر ریاکاری اور دنیا بٹورنے کا ڈھب۔ بہرحال اس کا دین، تقویٰ اور تزکیۂ نفس سے کوئی تعلق نہیں۔

ولی اللہ کی پہچان صرف ایک ہے اور یہ نہایت واضح پہچان ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص متبع شریعت ہوتا ہے۔ وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو قرآن کے خلاف ہو یا خلافِ سنتِ پیغمبر ﷺ ہو۔ اگر کوئی ایسا شخص ولایت کا دعویٰ کرے جس کا عمل خلافِ قرآن و سنت ہو تو اس کے جھوٹا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور جو شخص کسی ایسے شخص کو ولی اللہ مانے جو تارکِ احکامِ قرآن و سنت ہو، تو ظاہر ہے کہ وہ بھی شیطان کے دھوکے میں آیا ہوا ہے۔

سوال: آج کل کے صوفیوں میں جو غیر اسلامی باتیں مروّج ہوگئی ہیں ان کی نشان دہی کیجیے۔

جواب: آج کل کے صوفیوں اور پیروں کی بعض غیر اسلامی باتیں یہ ہیں:

۱- آگ جلائے رکھنا: بعض پیر اپنی خانقاہوں میں ہر وقت آگ جلائے رکھتے ہیں اور کسی وقت بجھنے نہیں دیتے۔ آگ جلائے رکھنا ایران کے مجوسیوں یعنی آتش پرستوں کا طریقہ تھا اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک غیر اسلامی شعار ہے اور ہر لحاظ سے ناقابلِ قبول۔

۲- گالیاں دینا: بعض پیر گالیاں دیتے ہیں اور ان کو پیر ماننے والے انہیں شیرِ مادر سمجھ کر پی جاتے ہیں۔ گالیاں دینے والا بدزبان شخص ہرگز اچھا مسلمان نہیں ہوسکتا کجا یہ کہ اسے ولی اللہ مانا جائے۔ یہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔

۳- ڈنڈے برسانا: بعض پیر ہر اس شخص پر ڈنڈے برساتے ہیں جو ان کے قریب آئے۔ جاہل لوگ ان سے ڈنڈے کھانے جاتے ہیں بلکہ جس کو ڈنڈے پڑتے ہیں وہ اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اب وہ بامراد ہوجائے گا۔ ظاہر ہے اس چیز کا دین اور تزکیے وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ دے۔

۴- جاندار کا چڑھاوا: بعض لوگ زندہ یا مردہ پیروں کے پاس جاندار (مرغ، بکری وغیرہ) کا چڑھاوا چڑھاتے ہیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے پیر صاحب! ہم تمہیں ایک جان دے رہے ہیں، تم بھی ہمیں ایک جان دو یعنی اولاد دو۔ استغفراللہ گویا اولاد دینا پیر صاحب کے بس میں ہے حالانکہ قرآن وسنت کی رو سے تخلیق محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور کوئی کسی کو اولاد نہیں دے سکتا۔ محض اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاسکتی ہے لہٰذا صحیح طریقہ یہی ہے کہ اپنی ہر حاجت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور صرف اسی سے مانگا جائے کیونکہ اس کے علاوہ کائنات کا نہ کوئی مالک ہے اور نہ اس میں تصرف کرسکتا ہے۔

۵- غیب کی خبریں دینا: غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ نجومی، جادوگر، اعداد سے حساب کرنے والے، جِنّوں سے خبریں حاصل کرنے والے، غیب کی جھوٹی سچی باتیں بتاتے ہیں اور اسے اپنی دال روٹی کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن تزکیے اور خدا رسیدگی سے ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں اور نہ شریعت میں ان چیزوں کی گنجائش ہے۔

۶- پیروں کو رکوع وسجود کرنا: بعض پیر اپنے مریدوں کو یہ اجازت دیتے ہیں کہ وہ ان کے

سامنے جھکیں اور بعض لوگ تو زندہ یا مردہ پیر کو سجدے بھی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ حرام ہے اور شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے تو اپنے لیے کھڑے ہونے کو بھی ناپسند فرمایا ہے۔ نہ آپ ﷺ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے یا نشست و برخاست میں عام مسلمانوں سے تفرد پسند فرماتے تھے۔ بات یہ ہے کہ مزکی کا ایک استاد کی طرح احترام کرنا چاہیے اور اس سے اللہ واسطے کی محبت ہونی چاہیے جیسی کہ کسی عزیز بزرگ سے ہوتی ہے۔ باقی ساری باتیں لایعنی مبالغہ ہیں۔

۷- گناہوں کی معافی: بعض پیر اپنے مریدوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آتے رہا کرو۔ اپنے گناہوں کی گٹھڑی یہاں چھوڑ جایا کرو اور پاک صاف ہو کر چلے جایا کرو۔ یہ غلط بات ہے۔ کوئی اس طرح کسی کے گناہ معاف نہیں کرا سکتا۔ آنحضرت ﷺ کا طرزِ عمل اس کے خلاف تھا۔ یہ تو عیسائیوں کے عقیدے کی متابعت ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) ہمارے گناہوں کے کفارے کے طور پر پھانسی چڑھ گئے تھے۔

۸- سماع اور قوالی: آج کل کے بہت سے پیر قوالی سنتے ہیں جن میں آلاتِ موسیقی استعمال ہوتے ہیں اور ہر طرح کے لوگ ان مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ میں آلاتِ موسیقی توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ لہٰذا کسی شرعی استدلال کی رو سے آلاتِ موسیقی سے حظ حاصل کرنا درست نہیں۔ جو مضامین ان قوالیوں وغیرہ میں گائے جاتے ہیں وہ بھی عموماً خلافِ شریعت ہوتے ہیں اور ان کی مجلسوں میں ہر طرح کے بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں، مرد، نیک و بد حاضر ہوتے ہیں۔ غرض اس طرح کے سماع کے مفاسد ظاہر و باہر ہیں۔ موسیقی نہ تو روح کی غذا ہے اور نہ اس سے نفس کے تزکیے میں کوئی مدد ملتی ہے۔

۹- تعویذ اور گنڈے: بہت سے پیروں نے تعویذ گنڈے کا کاروبار بھی شروع کیا ہوا ہے۔ بعض سادہ لوح مسلمان غیر مسلم فقیروں سے تعویذ لینے میں بھی عیب نہیں سمجھتے۔ ان تعویزوں وغیرہ کا کاروبار کرنے والے لوگ اکثر علم الاعداد سے حساب لگاتے اور موکل رکھنے کا دعوی کرتے ہیں۔ اسلام میں جس چیز کی گنجائش ہے وہ یہ کہ ایک مسلمان اپنے دوسرے بھائی کے لیے دعا کرے۔ اللہ کی کتاب کے بابرکت ہونے میں کوئی شک نہیں اور یہ امراض جسمانی میں بھی مفید ثابت ہوسکتی ہے لیکن یہ اس لیے اتری ہے کہ اس کے احکام پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی سرفرازی

حاصل کی جائے لہٰذا اس کا یہ استعمال پست ذوقی ہے کہ اسے امراض جسمانی میں استعمال کر کے ذریعہ روزگار اور کاروبار بنالیا جائے۔

۱۰- بے پردہ عورتوں سے اختلاط: بعض پیروں کے ہاں بے پردہ عورتیں آتی ہیں بلکہ عورت مرد سب آتے ہیں اور شرعی حجاب کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ پیر صاحب بلا تکلف ان بے پردہ عورتوں سے ملتے اور ان کے مسائل حل کرتے ہیں۔ بعض اوقات پیر صاحب اپنی مرید خواتین سے پیر وغیرہ بھی دبواتے ہیں اور تنہائی میں بھی بلواتے ہیں جب کہ ان کے ساتھ کوئی محرم نہیں ہوتا ظاہر ہے شریعت میں ان حرکتوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

۱۱- رقص و سرود: بدقسمتی سے ہمارے بعض صوفیوں نے گانے کے ساتھ رقص کو بھی جزو تصوف بنالیا ہوا ہے۔ جب قوالی ہوتی ہے تو کچھ لوگ اُٹھ کر دھمال ڈالنے لگتے ہیں۔ جس طرح مغربی تہذیب کے شاطر متبعین انٹرسٹ (Interest) کا ترجمہ سود نہیں منافع کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو کراہت محسوس نہ ہو۔ اسی طرح صوفی گانے بجانے کی بجائے سماع یا قوالی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ناچنے تھرکنے کو دھمال ڈالنا کہتے ہیں تاکہ گانے ناچنے کے لفظوں سے جو حرمت اور کراہت کا احساس عام مسلمانوں کو ہوتا ہے وہ نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ لفظ یا اصطلاح بدلنے سے حقائق تو نہیں بدل جاتے۔ اگر آلاتِ موسیقی استعمال کرتے ہوئے اللہ کی حمد یا رسول اللہ ﷺ کی نعت گائی جائے تو وہ مقدس اور جائز نہیں ہو جاتی بلکہ اصلاً وہ گانا ہی ہے جس سے شارع نے منع کیا ہے۔

۱۲- منشیات کا استعمال: بعض خانقاہوں میں بھنگ پینے کا رواج ہوتا ہے۔ مجذوب اور ملنگ وہاں جمع ہو کر بھنگ پیتے اور دوسرے نشے کرتے ہیں۔ اسلام نے ہر اس چیز کو حرام قرار دیا ہے جو دماغ کو مختل کر دے لہٰذا ایسی منشیات و ادویات کا استعمال جو طبیعت میں سرور پیدا کریں یا مصنوعی طریقے سے جوش پیدا کریں جائز نہیں ہیں۔ اس طریقے سے یکسوئی پیدا کرنا اور یہ توقع کرنا کہ یہ دین کے کام آئے گی حماقت اور خام خیالی ہے۔ ہر وہ کام جو خلافِ شریعت ہے اس کا نقصان دنیا ہی میں واضح ہو جاتا ہے اور آخرت میں تو یہ خسارے کا سودا ہے ہی۔

۱۳- غیر اسلامی اوراد و اعمال: بعض پیر اپنے مریدوں کو ایسی چیزیں پڑھنے کو بتاتے ہیں اور ایسے اعمال بجالانے کو کہتے ہیں جو خلاف شریعت ہوتے ہیں۔ بہترین اوراد و اذکار وہ ہیں جو

قرآن حکیم میں وارد ہوئے ہیں یا صحیح احادیث میں موجود ہیں۔اپنی زبان میں بھی موزوں الفاظ میں دعا مانگی جاسکتی ہے اور انہیں دہرایا بھی جاسکتا ہے لیکن ایسے صیغوں کا انتخاب احتیاط سے کرنا چاہیے تاکہ ان میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہو۔

۱۴- جمعرات کا تقدس: ہمارے علم میں کوئی نص قرآن یا صحیح حدیث کی ایسی نہیں جس میں جمعرات کے دن کی فضیلت دوسرے ایام پر ثابت ہوتی ہو۔ جو صوفی لوگ اسے اس لیے متبرک مانتے ہیں کہ جمعرات کو روحیں آتی ہیں اس کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

۱۵- گیارہویں شریف: اسلام میں زکوۃ فرض کی گئی ہے اور صدقہ کرنا ایک نفلی عبادت ہے لیکن یہ گیارہویں شریف کیا ہے ہم آج تک نہیں سمجھ سکے۔حضرت عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ بہت بڑے عالم دین اور حنبلی مسلک کے آدمی تھے یعنی آج کی زبان میں ''وہابی'' تھے۔ان سے صوفیوں نے جتنی باتیں منسوب کر رکھی ہیں وہ سب بے اصل اور جعلی ہیں لہٰذا ان کے نام کی گیارہویں دینے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں اللہ کے نام کا صدقہ ضرور دینا چاہیے اور غریب غرباء میں تقسیم کرنا چاہیے۔

۱۶- حضرت علیؓ کی خصوصیت: بعض بے علم صوفیوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ ولایت کی اصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور یہ کہ تصوف کے سارے سلسلے انہی تک پہنچتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے علم لدنی کے وہی وارث تھے۔ یہ ایک بے اصل بات ہے اور نبی کریم ﷺ پر بہتان ہے آپ ﷺ کو جو دین دیا گیا تھا اس میں کوئی پوشیدہ بات نہ تھی۔اللہ نے جو کچھ آپ ﷺ پر اتارا اسے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا جو قرآن وسنت میں موجود ہے اور آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ہزاروں لوگوں سے مجمع عام میں یہ گواہی لی اور اللہ کو بھی گواہ ٹھہرایا کہ آپ ﷺ نے دین ان تک پہنچا دیا ہے لہٰذا اب یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے امت تک سارا دین نہیں پہنچایا بلکہ کچھ چیزیں چھپا کر یا بچا کر رکھ لی تھیں جو صرف حضرت علیؓ کو دیں تو یہ ایک لغو بات ہے۔شریعت سے بے بہرہ لوگوں نے حضرت علیؓ سے بعض دوسری غلط باتیں بھی منسوب کر رکھی ہیں جیسے ان کو مشکل کشا کہنا یا ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا وغیرہ جن سے بچنا ضروری ہے۔

اسلام اور مغرب پروفیسر ملک محمد حسین ☆

ایک مدرس کی پکار

'فرزندانِ قوم!' اگر تمہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے یا اس قبرستان کا سناٹا توڑنے کے لیے میری چیخوں کی ضرورت ہے تو میں یہ آخری فریضہ ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔ تمہاری آزادی کے بجھتے ہوئے چراغوں کو آج خون کی ضرورت ہے لیکن ایک بوڑھا اور کمزور مدرس تمہیں آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں دے سکتا اور ایک تنہا فرد کے آنسو ایک قوم کے اجتماعی گناہوں کا کفارہ نہیں ہو سکتے۔ اس دنیا میں کی گئی سیاسی غلطیوں کی تلافی ممکن ہے۔ ہاری ہوئی جنگیں دوبارہ لڑی اور جیتی جا سکتی ہیں۔ شکستہ قلعے دوبارہ تعمیر ہو سکتے ہیں۔ تاریک راتوں میں بھٹکے ہوئے قافلے صبح کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کر سکتے ہیں لیکن ایک اجتماعی گناہ ایسا بھی ہے جس کے لیے کوئی کفارہ کافی نہیں ہوتا اور بھٹکے ہوئے قافلوں کے لیے ایک رات ایسی بھی آتی ہے جس کے لیے کوئی صبح نہیں ہوتی۔

اے اہلِ پاکستان! میں تمہیں اس آخری گناہ سے روکنا چاہتا ہوں جس کے بعد قوموں کے لیے رحم اور بخشش کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ میں تمہیں اس تاریک رات کی ہولناکیوں سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔

ایک قوم کا آخری گناہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ظلم کے خلاف لڑنے کے حق سے دست بردار ہو جاتی ہے اور بدقسمتی سے تمہارے اکابر اس گناہ کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اللہ کی رحمت کے سارے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کروا دیئے ہیں۔ انہوں نے مستقبل کی تمام امیدوں کا گلہ گھونٹ دیا ہے۔ انہوں نے اپنے لالچ، حرص اور مالی بدعنوانیوں کے باعث وہ سارے ذہنی اور اخلاقی حصار توڑ دیئے ہیں جو مظلوم اور بے بس انسانوں کے لیے آخری جائے پناہ کا کام دیتے ہیں۔

اگر اس گناہ کی سزا تمہاری موجودہ نسل تک محدود رہ سکتی تو مجھے اضطراب نہ ہوتا لیکن تمہارے حکمرانوں نے وہ سارے چراغ بجھا دیئے ہیں جو تمہاری آئندہ نسلوں کو سلامتی کا راستہ دکھا

☆ ماہرِ تعلیم، دانشور 0333-4404260

سکتے تھے۔ یاد رکھو! جب وہ پاکستان کا مستقبل، تمہاری آزادی اور بقا دشمنوں کو سونپ دیں گے تو تمہارے آلام ومصائب کی نہ ختم ہونے والی رات شروع ہو جائے گی۔ میری روح اس رات کے اندھیروں کے تصور سے کانپ اٹھتی ہے۔

میرے اہل وطن! مجھے اس رویے پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں جسے تم مستقبل کے امن اور خوشحالی کا ضامن سمجھتے ہو۔ یہ ہے اس عفریت کے چہرے کا حسین نقاب جس کے خون آشام ہاتھ تمہاری شاہ رگ تک پہنچ چکے ہیں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بھیڑیں بن کر بھیڑیوں کی ہمسائیگی اور سر پرستی میں زندہ رہ سکتے ہو تو مجھے تم سے ہم کلام ہونے کی ضرورت نہیں لیکن اگر انسانیت کے ماضی سے کوئی سبق سیکھ سکو تو میں بار بار یہ کہوں گا کہ تم اس جہنم کے دروازے پر دستک دے رہے ہو جو گمراہی اور ذلت کے راستے کی آخری منزل ہے۔ مجھے صرف اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم اس جہنم کی آگ میں بھسم ہو جاؤ گے بلکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری آئندہ نسلیں بھی برسوں اور شاید صدیوں تک اس جہنم کا ایندھن بنتی رہیں گی۔

تم صرف زندہ رہنے کے لیے دشمن کی غلامی اختیار کرنے پر آمادہ ہو لیکن تمہارے بیٹے اور پوتے غلامی کی زنجیروں کو اپنے ہاتھوں کا زیور سمجھنے کے بعد بھی اپنے آقاؤں سے زندہ رہنے کا حق نہیں منوا سکیں گے۔ مجھے صرف یہ اندیشہ نہیں کہ تمہیں ایک بد ترین غلامی اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا بلکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں اپنی روح اور بدن کی ساری آزادیوں سے دست بردار ہونے کے بعد بھی زندہ رہنے کا حق دار نہیں سمجھا جائے گا۔

تم برطانیہ اور روس کی وحشت اور بربریت دیکھ چکے ہو لیکن ابھی تم نے امریکیوں کی سفاکی کے سارے مناظر نہیں دیکھے۔ تم نے سی آئی اے کے وہ اذیت خانے نہیں دیکھے جہاں آہنی شکنجوں میں جکڑے ہوئے انسان ناکردہ گناہوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تم نے آگ کی چتا میں بھسم ہونے والوں کی چیخیں نہیں سنیں لیکن میں یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہوں۔۔۔۔

'میرے عزیزو!' تمہارے نعرے، قراردادیں اور ریلیاں حکمرانوں کو راہِ راست پر نہیں لا سکتیں۔ وہ امن کے بہانے اور دہشت گردی پر قابو پانے کے نام پر قبرستان کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں بعض مفتیان دین بھی جنہوں نے دین کے احکام کو اپنے بد طینت اور نا اہل حکمرانوں کی خواہشات کے سانچوں میں ڈھالنا اپنا شیوہ بنا لیا ہے، یہی سوچتے ہوں گے کہ زمانے

کے نئے حالات احکام ربانی کی نئی تعبیروں کے متقاضی ہیں لیکن تمہاری یہ جنگ اپنی آزادی اور بقاء کی جنگ ہے۔ یہ وہ انسانی ذمہ داری ہے جس سے فرار کا ہر راستہ مکمل ہلاکت پر ختم ہوتا ہے۔ یاد رکھیں! بقا کی جنگیں صرف جرأت ہی نہیں عقل و دانش کا تقاضا بھی کرتی ہیں اور مطلوبہ عقل و دانش...... ہر کہیں کہ ہے نہیں ہے۔

اگر تم انسانیت کے بلند مقاصد سے منہ پھیر لو، اگر تم اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو صرف حیوانوں کی طرح زندہ رہنے کے لیے بھی تمہیں ان درندوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا جو تمہارا خون پینے ،تمہارا گوشت نوچنے اور تمہاری ہڈیاں چبانے سے پہلے یہ اطمینان چاہتے ہیں کہ تم مکمل طور پر اُن کے نرغے میں آ چکے ہو اور تمہارے اندر اپنی مدافعت کے لیے وہ حیوانی شعور بھی باقی نہیں رہا جو کمزور بکریوں کو بھی سینگ مارنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

پاکستان اسلامیانِ عالم کا آخری حصار ہے۔ یہ ان مجبور و مقہور انسان کے لیے بھی آخری سہارا ہے جو فلسطین ، کشمیر، بوسنیا، شیشان اور برما کے علاقوں میں صرف اس امید پر زندہ ہیں کہ یہاں سے کوئی مرد مجاہد نمودار ہو گا اور اس کے عزم و یقین کی روشنی سے غلامی کے اندھیرے چھٹ جائیں گے لیکن جب دشمن تمہارے اس آخری حصار پر بھی قبضہ کر لے گا تو عالم اسلام کے طول و عرض میں ان کروڑوں انسانوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔

تمہیں اس بات سے خوش نہیں ہونا چاہیے کہ امریکہ اور مغرب سے تعاون کی شرائط بہت دلکش ہیں اور آزادی کا سودا کرنے کے بعد تم اپنے عالیشان مکانات ، اپنی دولت ، اپنے کارخانے اور اپنے کھیت بچا سکو گے۔ یاد رکھو! جب دشمن کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ تمہاری طاقت اور توانائی کے تمام سوتے خشک ہو چکے ہیں اور تمہاری امیدوں کے سارے چراغ بجھ چکے ہیں، تمہاری روح کسی ظلم کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتی تو اس عفریت کو اپنا خونخوار چہرہ مکر وریا کے لبادوں میں چھپانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

پھر تم وحشت و بربریت کا وہ سیلاب دیکھو گے جو روئے زمین کی کسی قوم نے آج تک نہیں دیکھا تو ان معاہدوں کے خوبصورت الفاظ کے معنی بدل جائیں گے۔ اس وقت تم محسوس کرو گے کہ ظلم و وحشت کی آگ کے انگاروں کو امن کے پھول سمجھ کر تم نے اپنی جھولیاں ان سے بھر لی ہیں۔

مجھے صرف یہی خدشہ نہیں کہ تمہاری درسگاہیں بند کر دی جائیں گے۔ تمہارے مدرسے جلا دیئے جائیں گے اور تمہاری مساجد گرجوں اور مندروں میں تبدیل ہو جائیں گی بلکہ میں تو یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ہلاکت اور تباہی کے راستے کی نئی منزل پچھلی منازل سے بہت زیادہ تاریک نظر آئے گی۔

پھر مستقبل کے مئورخ تمہارے اجڑے ہوئے شہروں کے کھنڈرات دیکھ کر یہ کہا کریں گے کہ یہ ویرانے اس بدنصیب قوم کی یادگار ہیں جس نے پاکستان بنا کر آسمان کی بلندیوں سے ہمکنار ہونے کا عزم کیا تھا مگر اُس نے ذلت اور پستی کا راستہ اختیار کیا۔ یہ اس قافلے کی آخری منزل ہے جس کے رہنماؤں نے اپنی آنکھوں پر پٹیاں باندھ لیں تھیں۔ یہ اس قوم کا قبرستان ہے جس نے اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لیا تھا۔ یہ اُس قوم کے علماءِ کرام کی فرقہ واریت افروز سوچ کا نتیجہ ہے جسے اتحادِ امت کے فروغ کا باعث ہونا چاہیے تھا۔ یہ قوم کے ان سیاسی قائدین کی لوٹ مار کا نتیجہ ہے جو اہل وطن کی لوٹی ہوئی دولت دشمنوں کی تجوریوں میں بھرتے رہے تھے۔ پیشتر اس کے کہ یہ طوفان سب کچھ بہا کر لے جائے اُٹھو اور قائد و اقبال کے خوابوں کی تعبیر بن جاؤ۔

یہ دنیا اس لیے بری نہیں کہ یہاں برے لوگ زیادہ ہیں بلکہ یہ دنیا اس لیے بری ہے کہ اچھے لوگ برائی پر خاموش رہتے ہیں۔

اگر ہم صرف اپنے گھر کا ماحول درست کر لیں تو یقین مانیے ہمارے ملک کا ماحول خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ افسوس ! کہ ہم نے ملک کی اصلاح کا ٹھیکہ لے رکھا ہے، گھر کا نہیں۔

انسان ایسا غافل منصوبہ ساز ہے کہ وہ اپنی ساری پلاننگ میں کبھی موت کو شامل نہیں کرتا

فہم دین

سید خالد جامعی ☆

متجددین کا اسلوب دعوت اور طریق کار

عموماً تمام جدیدیت پسند مفکرین خواہ وہ راسخ العقیدہ ہی کیوں نہ ہوں یا کسی راسخ العقیدہ روایتی مکتب فکر سے بھی مجبوراً وابستہ ہوں لیکن جیسے ہی وہ جدیدیت، مغربیت، اس عہد کے تمدنی مذہب [Civil religion] مذہب حقوق انسانی [Religion of Human Rights] اور اسلام میں ہم آہنگی تلاش کرنے کی شعوری، غیر شعوری، منطقی، عقلی کاوش شروع کرتے ہیں دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلامی علمیت کو غیر معتبر، مشکوک اور ناقابل یقین بنانے کے لیے کئی طریقے استعمال کرتے ہیں اس مضمون میں ہم فی الحال ان کے چند طریقوں کا تعارف اور تنقید پیش کریں گے:

۱۔عقل پرستی

وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عقل و نقل میں تضاد نہیں۔ اگر ہو تو نقل کو عقل کے مطابق کر دیں کیونکہ دونوں یکساں درجے کے منہاج ہیں۔ انسان کے پاس دو پیغمبر آتے ہیں: ایک پیغمبر ظاہر جو رخصت ہو جاتے ہیں۔ دوسرے پیغمبر باطن جو عقل کی صورت میں ہر فرد کو ہمیشہ میسر رہتا ہے۔ وہ عقل کو ذریعہ یا آلے کی بجائے ماخذ دین کے طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا یہ دعویٰ خود تضاد کا شکار ہے کیونکہ جب عقل و نقل یکساں درجے کے ماخذ ہیں تو عقل و نقل میں تضاد کی صورت میں صرف نقل کو عقل کے تابع کرنا غیر عقلی اور غیر منطقی رویہ ہے، کیونکہ ان کے اصول کے مطابق نقل کو عقل کے تابع کرنے میں کوئی حرج نہیں لہٰذا آخر کار نقل عقل کے تابع ہو جاتی ہے اور پھر تابع مہمل بن جاتی ہے۔ لہٰذا جدیدیت پسندوں کے یہ دعوے کہ عقل و نقل میں منافات ممکن نہیں اور اختلاف محال ہے کہ دین کی بنیاد علم و عقل کے مسلمات پر ہے تو یہ دعویٰ خود بتاتا ہے کہ نقل کی جگہ اگر عقل کو رکھ دیا جائے تو نتیجہ وہی نکلے گا جو نقل کے ذریعے نکلے گا، لہٰذا عقل نقل کی محتاج نہ رہی اور انسان نقل کا محتاج نہ رہا کہ وہ عقل پیغمبر باطن کے ذریعے ہی نقل کی اصل تک پہنچ سکتا ہے، لہٰذا

☆ ناظم شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی

عقل ونقل میں منافات کا انکار کرنے والے اصلاً نقل کا ہی انکار کردیتے ہیں اور عقل کو اصل الاصول یعنی نص صریح قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر محمود غازی مرحوم جیسے عالم جو جدیدیت پسند نہیں تھے، تعقل غالب کے زیر اثر لکھتے ہیں:

''شریعت کی اصل اور روح میں مذہب و عقل لازم وملزوم ہیں، عقل اور وحی دونوں شریعت کے ماخذ ہیں، وحی الٰہی نے عقل کو شریعت کی تعبیر میں اہم ماخذ کی حیثیت عطا کی ہے''۔

[محمود غازی ۲۰۰۹ء، عصر حاضر اور شریعت اسلامی، ص ۳۴۵، ساتواں خطبہ علم کلام IPS اسلام آباد]

حالانکہ جاوید غامدی جیسے متجدد بھی عقل کی بالادستی و برتری کو قدم قدم پر تسلیم کرنے کے باوجود جب عقل کو چند مقامات پر نارسا، بے کس، بے بس، عاجز اور بے نوا پاتے ہیں تو بے اختیار تسلیم کرتے ہیں کہ:

''اللہ نے سورۂ نساء میں ورثاء کے حصے متعین کرکے اسے اپنی وصیت قرار دیا وجہ یہ بتائی گئی کہ انسان نہیں جانتا کہ ان رشتہ داروں میں کون بہ لحاظ منفعت اس سے قریب تر ہے۔'' [ص: ۵۱۷، میزان ۲۰۱۰ء]

''انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تقسیم وراثت کے معاملے میں وہ انصاف پر مبنی کوئی فیصلہ کرسکتا۔ کون بہ لحاظ منفعت اس سے قریب تر ہے، وہ نہیں جانتا، علم و عقل میں اس کے لیے کوئی بنیاد تلاش نہیں کی جاسکتی، اس لیے یہ فیصلہ اس کا پروردگار ہی کرسکتا ہے، انسان نہ رب کے علم کی وسعتوں کو پاسکتا ہے نہ اس کی حکمتوں کو پوری طرح سمجھ سکتا ہے، وہ اگر بندہ مومن ہے تو بس حکم سنے اور سر جھکادے۔'' [ص ۵۲۲، ایضاً]

''تادیب وتنبیہہ کس جرم میں کتنی اور کس طریقے سے ہونی چاہیے، اس کی تعین کے لیے کوئی بنیاد چونکہ عقل انسانی کو میسر نہیں، اس وجہ سے اللہ نے اپنے نبیوں کی وساطت سے انسان کو جو شریعت دی اس میں تمام بڑے جرائم کی سزائیں خود مقرر کردیں۔'' [میزان، ص ۶۱۰، طبع سوئم مئی ۲۰۰۸ء، لاہور]۔

۲-فطرت ماخذ دین ہے

جدیدیت پسند فطرت کو بھی مأخذ علم کے طور پر استعمال کرتے ہیں، مگر یہ نہیں بتاتے کہ کون سا انسان فطرت پر قائم ہے اور کونسا انسان فطرت مسخ کرچکا ہے؟ فطرت پر قیام کو

پرکھنے کا پیمانہ کیا ہوگا؟ پیمانہ فطرت خود ہے یا پیمانہ باہر ہے؟ کیا پیمانہ عقل ہے یا نقل ہے؟ حضرت آدم فطرت پر قائم تھے، ان کو پیغام حق اللہ تعالیٰ نے براہ راست دیا تھا کہ شجر کے قریب نہ جاؤ، مگر نقل کے سامنے عقل و فطرت اُن کے کچھ کام نہ آئے، وہ نسیان کے باعث خطا کا ارتکاب کر بیٹھے، لہٰذا عقل وفطرت نقل کے تابع ہوں تو راہِ راست بتا سکتے ہیں۔

۳-اسلام ہر زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے

وہ کہتے ہیں کہ ''اسلام ہر زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے۔'' لیکن سوال یہ ہے کہ زمانے کو پرکھنے کا پیمانہ کیا ہے؟ کیا زمانہ خود پیمانہ ہے یا زمانے کو نقل پر پرکھا جائے گا؟ ان کا خیال ہے کہ زمانہ ہمیشہ آگے بڑھتا ہے اور یہ زمانے کی فطرت ہے، اسلام کو زمانے کے مطابق چلنا چاہیے، ورنہ مسلمان زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ اگر رسالت مآب ﷺ زندہ ہوتے، خلافت اسلامیہ باقی رہتی تو کیا زمانے کے رنگ ڈھنگ یہی ہوتے؟ ظاہر ہے زمانہ تعقل غالب [Dominant Discourse] کے زیر اثر اپنے رنگ بدلتا ہے، اسی لیے انبیاء کرام جب بھی آتے ہیں زمانے کو پیچھے کی طرف موڑتے ہیں اور وہ اپنے اصل سے رجوع کر لیتا ہے۔ ہر پیغمبر نے اپنے سے پہلے پیغمبروں کی تعلیمات کی تصدیق اسی لیے کی اور زمانے کی رفتار کو روک کر اسے ماضی کی طرف پلٹا دیا۔ اگر زمانہ خود ہی پیمانہ ہے تو پھر یہ نصوص دین میں نئے نص کا اضافہ ہے۔

۴-اجتہاد کے نام پر مآخذ دین میں اجتہاد

اسلام میں اجتہاد قرآن وسنت اجماع و قیاس کی بنیاد پر غیر منصوص مسائل میں ہوسکتا ہے مگر یہ حضرات اجتہاد کو آزادانہ عقلی سرگرمی تصور کرتے ہیں اور اجتہاد کے نام پر ماخذات دین میں اجتہاد کرنے لگتے ہیں۔

۵-مجتہد، فقیہہ، عالم دین غیر مسلم ہوسکتا ہے

متجددین کا خیال ہے کہ ''مجتہد، فقیہہ اور عالم دین غیر مسلم بھی ہوسکتا ہے کیونکہ اجتہاد، فقہ اور فتوے کے لیے اصل شرط علم ہے ایمان، اسلام، تقویٰ و پرہیزگاری نہیں۔ لہٰذا ہر غیر مسلم عالم سے جو اسلامی فنون و علوم کا ماہر ہو اسی طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے جس طرح مسلمان علماء فقہاء مجتہدین سے۔''

دوسرے معنوں میں دینی علم کسی سے بھی لیا جاسکتا ہے اور تقویٰ، پرہیزگاری کا علم سے کوئی تعلق نہیں اور قرآن کی ان آیات کا وہ مفہوم بھی درست نہیں کہ راسخون فی العلم اور علماء ہی اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے لوگ ہیں، یعنی خدا کے خوف سے عاری شخص بھی خدا کے فیصلوں کا حقیقی مقصد محض عقل اور علم کے ذریعے مسلمانوں کو بتاسکتا ہے اور مسلمان اس سے استفادہ کرنے پر مجبور ہیں۔ علم کا عمل سے کوئی ربط نہیں، مجرد علم ہی درست نتیجے تک پہنچنے کے لیے کافی ہے کہ یہ خالص عقلی، معروضی، آفاقی سرگرمی ہے، لہٰذا ایک عابد زاہد تہجد گزار عالم اور غیر مسلم عالم کا نتیجۂ علم، اخذ واستنباط یکساں سطح کا ہوگا۔

حالانکہ مشکوٰۃ شریف میں آتا ہے" **إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تاخذون دينكم**" یہ علم ہی تمہارا دین ہے تو یہ دیکھ لو کہ کس [شخصیت] سے تم دین یا [فکر] اخذ کررہے ہو۔'' جدیدیت پسند اس اُصول کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔

۶-مغرب کی ترقی معیار ہے اور اسلام کو ترقی ہی مطلوب ہے

متجددین کا یہ بھی خیال ہے کہ:''مغرب کی ترقی معیار ہے اسلام کو یہی ترقی مطلوب ہے۔'' لہٰذا مغرب قابل تقلید ہے صرف "**خذ ما صفا ودع ما كدر**'' کے اصول کا اطلاق کیا جائے جو بہتر ہو وہ لے لیا جائے، جو خراب ہے اسے ترک کردیا جائے۔

مگر مغرب خود کیا ہے؟ اس کی ایجادات کے مقاصد کیا ہیں؟ اس کا فلسفہ، اس کی مابعد الطبیعیات کیا ہے؟ یہ جدیدیے اس سے ناواقف ہیں لیکن اس کے باوجود مغرب کی تقلید کے لیے شرعی حیلے تلاش کرتے ہیں۔

حالانکہ جو شخص مغرب کی جاہلیت سے کوئی خیر اخذ کرنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ اس خیر کی پہلے مکمل تحقیق کرے۔ مغربی علمیت اور اسلامی علمیت کا موازنہ کرے، اگر وہ دونوں علوم پر عبور نہیں رکھتا اور تقابل کی صلاحیت کے بغیر اجتہاد کرتا ہے تو وہ جاہلیت کا شکار ہوگا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ شخص دین کی کڑیاں بکھیر دے گا جو جاہلیت کی حقیقت سے واقف نہ ہو۔ لہٰذا "**خذ ما صفا ودع ما كدر**'' کے اصول سے اسی وقت استفادہ کیا جاسکتا ہے جب حقیقت جاہلیت سے کلی آ گہی ہو۔

۷- نصوص کی ایک تعبیر نہیں متنوع تعبیریں ممکن ہیں

یہ دعویٰ مستشرقین کا تھا، جسے علامہ اقبال نے خطبات کے ذریعے سہواً پیش کیا۔ بعد میں خطبات کے مباحث سے رجوع کرلیا۔ تفصیلات کے لیے امالی غلام محمد مطبوعہ ساحل جون ۲۰۰۶ء، سہیل عمر کی کتاب خطبات اقبال، نئے تناظر کا اختتامی صفحہ اور ضمیمہ ''سزا و ناسزا'' ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد پرویز صاحب، ڈاکٹر مشیر الحق نے نصوص میں تنوع کی غیر علمی دلیلیں پیش کیں جسے عمار خان ناصر صاحب نے اپنی خوبصورت تحریر کے ذریعے ''حدود و تعزیرات چند اہم مباحث'' میں ایک فلسفے کے طور پر پیش کیا اور جناب زاہد الراشدی صاحب نے اس فلسفے کی تائید سہواً یا قصداً فرمادی۔ یعنی کوئی دائرہ علم یقینی نہیں ہے، سائنس فلسفہ تو ہمیشہ غیر یقینی رہے، اب نصوص بھی اسی سطح پر آ گئے، عقلی اور نقلی علوم میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ انسانی علم ہی نہیں خدائی علم وحی الٰہی بھی متغیر ہو گئے، مطلق حتمی ابدی نہیں رہے، خالق و مخلوق اور ان کا علم دونوں یکساں درجے پر آ گئے۔ حالانکہ یہ رویہ اجتہاد نہیں بدعت، ضلالت اور اِلحاد ہے۔

۸- سارے مذاہب ٹھیک ہیں

تجدد پسندوں کی رائے ہے کہ: التوحید سب سے اہم ہے، روایت ازلی ہے اور ہر مذہب میں موجود ہے، تمام مذاہب کی تعلیمات ٹھیک ہیں، صرف تشریح میں انحراف اور التباس و تحریف دین ہوتی ہے، عقل کے ذریعے التوحید، واحد، حقیقت الحقائق تک پہنچا جا سکتا ہے۔

حالانکہ اس مفروضے کا تجزیہ کریں تو یہ منصب رسالت کا انکار ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ: رسالت اور حدیث اِسی لیے اہم نہیں ہے، جنت و دوزخ کا فیصلہ توحید پر ہوگا، نجات ایمان بالرسالۃ سے مشروط نہیں کیونکہ توحید آفاقی ہے، رسول ایک خاص قوم میں آتا ہے اور چلا جاتا ہے، خدا باقی ہے، قیوم ہے، حیّ ہے، لہٰذا خداوند کی معرفت ہی ایمان کی اصل ہے۔

دوسرے معنوں میں صرف خدا پر ایمان کافی ہے، خدا کی صفات، ذات، حقیقت، اس کی رضا، اس کے احکام، اس کی شریعت، اس کے مطالبے تقاضوں پر عمل توحید کا تقاضہ نہیں ہے۔ بس خدا کو مان لینا ہی عہد اَلست کا واحد تقاضہ ہے، زندگی جس طرح چاہے بسر کریں، صرف خدا کے نام کی شمع دل میں روشن کرلیں، وحدت ادیان کا فلسفہ یہی ہے، رینے گینوں کا مکتب فکر اور بعض نام نہاد علماء بھی اس خیال کے حامی ہیں۔

۹-اجماع حجت نہیں ہے

متجددین کہتے ہیں کہ:''اجماع حجت نہیں ہے۔'' حالانکہ اجماع عقل کے استعمال سے پیدا ہونے والے اختلافات کا حل بھی پیش کرتا ہے، تعبیر وتشریحِ دین کا عمل عقل کے آلے کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے اور عقل استقراء واستخراج کے تحت غلطی کرتی ہے، کرسکتی ہے اور کرتی رہی ہے، لہٰذا اِس امت میں اختلاف کا حل صرف اجماع اور مسلک جمہور ہے، لہٰذا اِجماع کا انکار کر کے اختلاف کا دروازہ اس طرح کھولا جاتا ہے کہ دین کے کسی حکم پر عمل ممکن ہی نہیں رہتا۔ ہر حکم میں اختلافات نظر آتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ انسان دین سے ہی دستبردار ہو جاتا ہے۔ جناب جاوید غامدی صاحب کی تحریروں سے صرف ایک مثال میراث کا مسئلہ پیش خدمت ہے، ۱۹۸۵ء میں میزان حصہ اول میں میراث کی آیات کا مفہوم غامدی صاحب نے اہل سنت کی تقلید میں بیان کیا:

''سورۂ نساء میں اللہ نے ان نادانوں کو جو اپنے علم وعقل کے غرے یا ذاتی میلان کی بناء پر اس خدائی قانون میں ترمیم کرنا چاہیں تنبیہہ فرمائی ہے کہ یہ تقسیم (میراث) اللہ کے علم و حکمت پر مبنی ہے۔ انسان اپنی بلند پروازیوں سے اللہ کے حکم کی وسعتوں کو نہ پا سکتا ہے نہ اس کی حکمتوں کو سمجھ سکتا ہے، بندہ مومن کا کام یہی ہے کہ وہ اللہ کے احکام کو سنے اور ان کے سامنے سر جھکا دے۔ کسی بات کی حکمت سمجھ میں آ جائے تو اس کے حضور میں سجدہ شکر بجالائے، سمجھ میں نہ آئے تو اسے اپنی عقل کے نقص پر محمول کرے، احکام الٰہی کے باب میں صحیح رویہ یہی ہے''۔ [جاوید غامدی، میزان ۱۹۸۵، حصہ اول، ص ۵۸، طبع اول، مئی ۱۹۸۵ء]۔

۲۰۰۲ء میں میزان آئی تب بھی میراث کی آیات کے مفاہیم اہل سنت کے اتباع میں تھے۔

''سورۂ نساء میں اللہ نے ان حصوں کو اپنی وصیت قرار دیا ہے جس کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کو اپنی وصیت پیش کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہیے، نساء کی آیت ۷ کے الفاظ بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں، لہٰذا یہ بات تو بالکل قطعی ہے کہ بقرہ کی اس آیت (وصیت) کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

[ص ۱۶۴، میزان جاوید غامدی، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء دارالاشراق ۱۲۳ بی ماڈل ٹاؤن لاہور]

کتاب کے کل صفحات ۳۳۷ ہیں۔ میزان طبع اول ۲۰۰۷ء، ۲۰۰۹ء، ۲۰۱۰ء، ۲۰۱۲ء

کے ''خاتمہ'' میں اس کا کوئی ذکر نہیں بلکہ خاتمے میں غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ میزان کا کام میں نے ۱۹۹۰ء بمطابق ۱۴۱۰ ہجری میں کسی وقت شروع کیا، وہ آج سترہ سال بعد پایہ تکمیل کو پہنچ گیا [ص ۶۵۰، میزان، طبع پنجم، فروری ۲۰۱۰ء] اس تحریر کے نیچے ۲۷ اپریل ۲۰۰۷ء کی تاریخ درج ہے۔ظاہر ہے یہ غلط بیانی ہے، (کیونکہ) میزان ۱۹۸۰ء میں شروع ہوئی، پہلی مرتبہ ۱۹۸۵ء میں میزان حصہ اول کے نام سے شائع ہوئی، دوسری مرتبہ ۲۰۰۲ میں صرف میزان کے نام سے شائع ہوئی لیکن خاتمے میں میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے]

''اب کسی مرنے والے کو اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ان وارثوں کے حق میں وصیت کا اختیار باقی نہیں رہا، یہ تقسیم اللہ کے علم وحکمت پر مبنی ہے۔انسان اس کے علم کی وسعتوں اور اس کی حکمتوں کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا، وہ مومن ہے تو اس کے لیے زیبا یہی ہے کہ اس کا حکم سنے اور سر جھکا دے''۔ [میزان ۲، ۲۰۰۲ء، ص ۷۰ بحوالہ بالا]

۲۰۰۷ء، ۲۰۰۸ء میں میزان جدید ضخیم آئی تو میراث میں وارث کے حق میں وصیت جائز قرار پائی، لیکن نئے اجتہاد کے لیے ابتداء میں پرانی دلیلیں دی گئیں۔

''سورۂ نساء میں اللہ کی طرف سے قانون نازل ہونے کے بعد اب کسی مرنے والے کو رشتہ داری کی بنیاد پر اللہ کے ٹھہرائے ہوئے وارثوں کے حق میں وصیت کا اختیار باقی نہیں رہا۔ یہ تقسیم اللہ کے علم وحکمت پر مبنی ہے، اس کے ہر حکم میں گہری حکمت ہے، بندہ مومن کے لیے زیبا یہی ہے کہ اس کا حکم سنے اور اس کے سامنے سر جھکا دے''۔ [غامدی، ص ۵۲۰، میزان، طبع پنجم، فروری ۲۰۱۰ء]

''مسلمان اب رشتہ داری کی بنیاد پر اپنی کوئی وصیت پیش کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا، من بعد وصیۃ کے جو الفاظ ان آیتوں میں بار بار آئیں گے، ان سے مراد بھی ایسی ہی کوئی وصیت ہے جو وارثوں کے سوا کسی دوسرے کے حق میں ہو یا وارثوں کی کسی ضرورت کے لیے یا ان کی کسی خدمت کے صلے میں خود ان کے حق میں کی جائے۔[ص: ۵۲۳، محولہ بالا]

''غیر مضار وصیۃ من اللہ آیت کے آخر میں یہ الفاظ اس تنبیہ کے لیے آئے ہیں کہ وارث بنانے کا یہ عمل کسی حق دار کے لیے ضرر کا موجب نہ ہونا چاہیے، اللہ نے وصیت میں ضرر رسانی کو روکنے کے لیے اصل وارثوں کے حصے خود مقرر فرما دیے ہیں۔'' [ص

۵۲۸، ۵۲۹، محولہ بالا]

’’یہ ہما شما کا مشورہ نہیں پروردگار عالم کی وصیت ہے۔ اس کا بندہ جانتے بوجھتے کسی حق دار کو محروم کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اس کے ہر عمل سے باخبر ہے۔‘‘ [ص ۵۲۹، محولہ بالا]

’’والدین اور اقرباء کے حصے اللہ نے نساء کی ان آیتوں میں خود متعین کر دیے اور انھیں اپنی وصیت قرار دیا ہے۔ یہ حصے بالکل متعین ہیں ان میں کمی وبیشی کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ ہر مسلمان اب اسی قانون کے مطابق وصیت کا پابند ہے اور دستور کے مطابق وصیت کا حکم باقی نہیں رہا۔‘‘

[غامدی، طبع سوم، مئی ۲۰۰۸ء، میزان، ص ۵۱۹، المورد لاہور]

’’(سورۂ نساء میں احکام میراث) اس قانون کے نازل ہو جانے کے بعد اب کسی مرنے والے کو رشتہ داری کی بنیاد پر اللہ کے ٹھہرائے ہوئے وارثوں کے حق میں وصیت کا اختیار باقی نہیں رہا‘‘ [ص ۵۲۵، محولہ بالا]

پھر اجتہاد ملاحظہ کیجیے:

’’تاہم اس کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ وارثوں کی کوئی ضرورت یا ان میں سے کسی کی کوئی خدمت یا اس طرح کی کوئی دوسری چیز تقاضہ کرے تو اس صورت میں بھی ان کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی [ص ۵۲۵ محولہ بالا]

لیکن اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے وصیت میں ضرر رسانی کو روکنے کے لیے اصل وارثوں کے حصے خود مقرر فرما دیے ہیں اس حق (وصیت کے) کو استعمال کرتے ہوئے کسی کی حق تلفی نہیں ہونی چاہیے۔ [ص ۵۳۱، محولہ بالا]۔

مئی ۲۰۰۸ء طبع سوم کی میزان میں غامدی صاحب کا میراث میں وصیت کے بارے میں جو نیا موقف تھا، مگر مقامات نومبر ۲۰۰۸ء طبع اول میں یہ موقف مطلق تبدیل ہو گیا۔ ۲۰۰۸ء میں میزان جدید کے بعد غامدی صاحب کی کتاب مقامات میں اجتہاد عربیت کی رو سے سامنے آیا کہ مورث کسی بھی وارث کے حق میں پوری میراث کی وصیت کر سکتا ہے۔ قرآن، عربی مبین، لغت اس معاملے میں کوئی قدغن عائد نہیں کرتے، یہ قدغنیں فقہاء کی عائد کردہ ہیں۔ مقامات طبع اول

نومبر ۲۰۰۸ء میں ص ۱۴۰تا۱۴۲ ''وصیت کا حق'' کے زیرعنوان لکھتے ہیں:

''وصیت کے لیے کوئی حد مقرر کی گئی ہے، یا آدمی جس کے لیے جتنی چاہے وصیت کرسکتا ہے؟ دوسرا یہ کہ وصیت کیا ان لوگوں کے حق میں بھی ہوسکتی ہے جنھیں اللہ نے میت کا وارث ٹھہرایا ہے۔؟ [مقامات، نومبر ۲۰۰۸ء، ص ۱۴۱، محولہ بالا] پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں کسی تحدید (وصیت وارث یا غیر وارث کے حق میں) کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے، اللہ نے علی الاطلاق فرمایا ہے کہ یہ تقسیم مرنے والے کی وصیت پوری کرنے کے بعد کی جائے گی، زباں و بیان کے کسی قاعدے کی رو سے اس اطلاق پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ [ص ۱۴۱، محولہ بالا] وارثوں کے حق میں خود اللہ نے وصیت کردی ہے، اللہ کی وصیت کے مقابلے میں کوئی مسلمان اپنی وصیت پیش کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا، لہٰذا یہ وصیت بر بنائے رشتہ داری نہیں ہوسکتی، مگر انھی وارثوں کی کوئی ضرورت کسی کی کوئی خدمت یا اسی نوعیت کی کوئی دوسری چیز تقاضہ کرے تو وصیت یقیناً ہوسکتی ہے، یہ وصیت ان وارثوں کے حق میں بھی ہوسکتی ہے اس میں کوئی چیز مانع نہیں ہے''۔ [ص ۱۴۲، محولہ بالا]۔

صرف ایک فرد ۱۹۸۵ء سے ۲۰۰۸ء تک یعنی صرف ۲۳ سال کے عرصے میں عربیت، عقل، منطق، استقراء کے تحت ایک ہی آیت کے کئی معانی بتا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ میراث کے حکم پر عمل کب ہوگا؟ اجماع اور مسلکِ جمہور درحقیقت اسی انتشار، بدنظمی، گمراہی، پریشان خیالی سے بچانے کا دینی روحانی اسلامی اُصول ہے۔

۱۰- اللہ اپنے قوانین کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ طبعی قوانین اٹل ہیں

واضح رہے کہ سائنس دان بھی یہ بات نہیں کہتے، ان کے یہاں سائنس کا ہر قانون، کلیہ، قاعدہ غیر مطلق، متغیر، غیر حتمی اور ہر آن بدلنے والا ہے۔ جدیدیت پسند کہتے ہیں کہ اللہ خود اپنے قانون کا پابند ہے، یعنی قانون بنا کر مجبور ہوگیا ہے۔ جس طرح اللہ نے خود اپنے لیے ''کتب علی نفسہ الرحمۃ'' کا قانون بنا کر خود کو پابند کرلیا ہے اب وہ قانون رحمت کے تحت بندوں کو سزا نہ دینے اور معاف کرنے کا پابند ہے، لہٰذا اسی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی دوزخ کو خود جلا کر ختم کردے۔

جناب غامدی صاحب نے میزان میں گمراہ فلاسفہ کے قدیم نقطہ نظر کو علامہ اقبال کے خطبات کے ذریعے پڑھ کر اپنے خطیبانہ اسلوب میں بڑے زعم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ واضح رہے کہ اقبال نے اس گمراہی سے رجوع کرلیا تھا۔ غامدی صاحب قرآن کی ان تمام آیات کو بھول گئے جو دوزخ و جنت کی ابدیت اور ہمیشگی کی زندگی کا بار بار اعلان کرتی ہیں۔ کفار مغرب کو خوش کرنے کے لیے حضرت والا نے آیات قرآنی کے بغیر جہنم کو خود ہی بجھا دیا۔ توقع ہے کہ ایک دن دوزخ کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔[میزان،ص۱۹۱،فروری ۲۰۱۰ء]۔

۱۱-اسلام کی آمد کا مقصد تسخیر کائنات ہے

اِن کا ایک نظریہ یہ ہے کہ:''اسلام کی آمد کا مقصد کائنات کی تسخیر ہے۔تاکہ خزائن فی الارض سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر کے اس کائنات پر خدا کی ہیبت قائم کردی جائے جس طرح مغرب نے دنیا پر قائم کردی ہے۔اس ہیبت کا حصول تسخیر ارض وسما کے بغیر ممکن نہیں،لہٰذا خلافت اَرضی اسی کو ملے گی جو اس کام کو تکمیل تک پہنچائے گا۔ مغرب نے یہ کام کرلیا لہٰذا خلافت کا حق دار ٹھہرا۔''

حالانکہ اسلام کی آمد کا اصل مقصد عبادت رب اور معرفت رب کے سوا کچھ نہیں کہ انسان روز حشر خدا کے سامنے کھڑے ہونے، معافی پانے اور جنت میں جانے کے قابل ہو جائے، یہی فوزِ عظیم ہے، اِسی لیے فرمایا گیا کہ انسان اور جنوں کو ہم نے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

جبکہ یہ کہتے ہیں کہ عہد حاضر میں کامیاب اور طاقت ترین ریاست وہ ہے جس کا GTA, GCI, HDI, GNI, GNP, GDP سب سے زیادہ ہو۔ یہ اہداف تسخیر کائنات اور علوم کفار پر دسترس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہیں۔عہد حاضر میں یہ اہداف تمام امتوں کے مشترکہ غیراقداری اہداف ہیں،ان کا حصول تسخیر کائنات کے بغیر ممکن ہی نہیں،لہٰذا تسخیر کائنات ایمان کا اولین تقاضا ہے،اس کے بغیر ریاست وخلافت اسلامیہ کا قیام ممکن نہیں۔ شریعت کے مکمل نفاذ کے لیے اسلامی حکومت و ریاست کا قیام لازم ہے،لہٰذا تمکن فی الارض کے لیے تسخیر فی الارض اور تمتع فی الارض بھی امر لازم ہیں۔

لیکن اسلام اِن تصورات کو تسلیم نہیں کرتا، اسلامی ریاست کے مقاصد قرآن میں

متعین کر دیے گئے ہیں، نظام صلوۃ وزکوۃ کا قیام اورامر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

۱۲-علم صحیح یعنی وحی الٰہی کے پرکھنے کا پیمانہ سائنس ہے

یہ کہتے ہیں کہ: علم صحیح یعنی وحی الٰہی کے پرکھنے کا پیمانہ سائنس ہے۔لہٰذا مذاہب عالم سے نزاع ہو یا تقابل یا مناظرہ تو قرآن کی حقانیت ادیان باطلہ پر ثابت کرنے کے لیے سائنسی علم ایجادات نظریات کو حجت، منہاج، فرقان، کسوٹی کے طور پر قبول کیا جائے کیونکہ عصر حاضر میں کفار اور مسلمانوں کے مابین سائنس کے الحق ہونے پر اشتراک ہے اختلاف نہیں اور مناظرہ کا اصول یہی ہے کہ جو اصول فریقین میں متفقہ ہے اس کے مطابق مناظرہ کیا جائے۔ اس اصول کے اطلاق کے نتیجے میں وحی الٰہی سے برتر پیمانہ سائنس قرار پاتی ہے جس پر قرآن کو پرکھا جائے گا۔

حالانکہ وحی الٰہی سب سے افضل و برتر علم ہے۔ یہ اپنے جواز کے لیے کسی دوسرے کی محتاج نہیں، اس کو کسی دوسرے پیمانے پر پرکھا نہیں جا سکتا کہ یہ تمام پیمانوں کو پرکھنے کا واحد، آخری، قطعی پیمانہ ہے۔ جب سائنس کو اعلیٰ ترین علم، پیمانہ تسلیم کیا گیا اس اصول کے تحت مخلوق کو خالق اور اس کے کلام پر حاکم اور حکم [arbitrator] بنا دیا گیا اب قرآن سائنس کی تصدیق کا محتاج ہے وہ خود حجت فرقان برہان نہیں ہے۔

۱۳-مذہب سائنس کے بغیر اندھا ہے اور سائنس مذہب کے بغیر لنگڑی

ان کا خیال ہے کہ: ''مذہب سائنس کے بغیر اندھا ہے اور سائنس مذہب کے بغیر لنگڑی۔ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔'' اس اصول کے تحت الدین، قرآن، اسلام کو نامکمل، محتاج اور معذور ثابت کر دیا گیا۔ سائنس سے متاثر بعض جدیدیت پسند مسلم مفکرین خطباء اور مناظرین نے اپنے خطبات میں اس اصول کو بار بار بیان کیا ہے۔ مذہب کو کسی سہارے کا محتاج بنانا قرآن کے اس دعوے کی نفی ہے کہ دین مکمل ہو گیا ہے۔ اللہ کا دین ہی اگر ناقص، معذور اور کمزور ہو تو وہ حجت کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک مسلمان جو اپنے دین میں نقص تسلیم کرے اس کا مقام و مرتبہ کیا ہو سکتا ہے؟

متجددین کا کہنا ہے کہ: قرآن سائنس ہے اور سائنس قرآن۔ قرآن کی اصطلاح عالم کا مطلب سائنس داں ہے جو فطرت، قدرت، آثار کائنات کا قریب ترین مشاہدہ کرتا ہے، جو قرآن کا مطلوب رویہ ہے۔ تفکر تدبر کی قرآنی اصطلاحات کا اصل عامل سائنس دان ہی ہوتا ہے۔

قرآن کی پہلی سورۃ العلق میں قلم اور علم کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں علم سے مراد تمام علوم عقلیہ خصوصاً سائنسی علوم ہیں جن سے مسلمانوں کو قوت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا ان علوم کا حصول فرض کفایہ نہیں فرض عین ہے، کیونکہ علوم عقلیہ ہی اصل العلوم ہیں۔ قرآن کی تمام آیات انہی علوم کے حصول کی دعوت دے رہی ہیں اور مسلمان کئی صدیوں سے اس آواز کو نظر انداز کر رہے ہیں۔

اس موقف کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم سے اچھے تو کفار ہیں جو قرآن کی ایک آیت پڑھے بغیر ہی تمام علوم عقلیہ کے ماہر ہو گئے۔ حالانکہ قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے اس کا حقیقی فہم حاصل کرنے والے صحابہ کرام تھے مگر ان میں ایک بھی سائنس داں نہیں تھا اور کسی ایک صحابی نے کوئی کتاب نہیں لکھی، نہ کوئی شے ایجاد کی، نہ کوئی سائنسی نظریہ تخلیق کیا تو کیا وہ فہم قرآن سے واقف نہ تھے؟

۱۴- دنیا میں کوئی آفاقی سچ نہیں۔ اسلام بھی کئی سچائیوں میں سے ایک سچائی ہے

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''دنیا میں کوئی آفاقی سچ نہیں، اسلام بھی کئی سچائیوں میں سے ایک سچائی ہے۔'' لہٰذا کوئی اسلام کے الحق ہونے کا دعویٰ نہ کرے کیونکہ اس سے تصادم و تنازع پیدا ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ مغرب میں رواداری کا مطلب وہ نہیں ہے جو رواداری کی اسلامی اصطلاح کا مطلب ہے، کیونکہ ہر اصطلاح خواہ اس میں لفظی مماثلت ہو معنویت کی سطح پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، کیوں کہ ان کا مابعد الطبیعیاتی تناظر مختلف ہوتا ہے۔ مغربی رواداری کا مطلب یہ ہے کہ مذاہب کے دعوے سائنسی بنیادوں پر نہیں پرکھے جاسکتے، لہٰذا یہ علمی دعوے نہیں غیر علمی جاہلانہ دعوے ہیں، لہٰذا تمام جہالتیں ایک دوسرے کو برداشت کریں، کسی دعوے کو کسی دوسرے دعوے پر فوقیت نہیں دی جاسکتی۔ دوسرے معنوں میں مذہب، دین، الحق کچھ نہیں ہوتا۔ رواداری [Tolerance] کے تحت تمام خود ساختہ سچائیوں کو یکساں درجہ دیا جائے تاکہ متنوع معاشرہ (Pluralistic society) قائم ہو سکے جہاں آزادی اصل قدر ہو، ہر شخص کو اپنا خیر خود تخلیق اور ترک کرنے کا اختیار ہو، خیر اعلیٰ آزادی ہو۔ ایسا معاشرہ ہو جہاں امن ہو تنازعات کا اصل سبب کسی دین کا اپنے الحق ہونے پر اصرار ہے۔

ظاہر ہے یہ کاذب بیان ہے۔ پہلی جنگِ عظیم سے لے کر کابل اور عراق تک پھیلی ہوئی عالمی جنگیں برپا کرنے والے مذہبی لوگ نہیں ہیں، وہ مغربی ممالک، ادارے، روس، جرمنی، برطانیہ UNO اور امریکہ ہیں۔

۱۵-تمام اعتراضات شبہات تنقید تحقیق اسلام،فقہ،اجتہاد اور قرآن پر ہوتی ہے

ان متجددین کے تمام اعتراضات شبہات تنقید تحقیق اسلام،فقہ،اجتہاد اور قرآن پر ہوتی ہے اور اس میں رخنے نظر آتے ہیں مگر کوئی ایک جدیدیت پسند مفکر مغرب پر اس طرح تنقیدی نظر نہیں ڈالتا، نہ مغرب کے علوم عقلیہ کا ناقدانہ جائزہ لیتا ہے، نہ مغرب میں مغرب پر ہونے والی تنقیدات [Internal Critiques] کا مطالعہ کرتا ہے، نہ ہی اس کو علم ہوتا ہے کہ مغرب میں مغرب کے فلسفے جدیدیت،اس کے مظاہر سائنس ٹیکنالوجی سرمایہ داری جمہوریت کے خلاف کیا لکھا جا رہا ہے، ہزرل، ہائیڈیگر، رچرڈ رارٹی جیسے چوٹی کے فلسفی مغرب کے بارے میں کیا بتا رہے ہیں؟

مغرب میں انہیں عریانی فحاشی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ان کا خیال ہے کہ مغرب عریانی فحاشی ترک کر کے اگر کلمہ پڑھ لے تو وہ ہم سے بہتر مسلمان ثابت ہوں گے۔لہٰذا جدیدیت پسندوں کو تمام خوبیاں مغرب میں نظر آتی ہیں، تمام خامیاں اسلامی تاریخ ،اسلامی علمیت اور اسلامی شخصیات و اداروں میں نظر آتی ہیں۔

۱۶-قرآن،سنت،فقہ،اجتہاد کی تاریخ میں صرف عورت اور اس کے متعلقات کو زیر بحث لایا جاتا ہے:

ان کے ہاں قرآن سنت فقہ اجتہاد کی تاریخ میں صرف عورت اور اس کے متعلقات کو زیر بحث لایا جاتا ہے، کیوں کہ ان جدیدیت پسندوں کو اسلامی علمیت کا پندرہ سو سالہ ذخیرہ صرف عورت کے معاملے میں ناقابل قبول، قابل تنقید، ترمیم، تنسیخ، تردید نظر آتا ہے، لیکن مرد کے معاملے میں یہ علمی ذخیرہ آج بھی مکمل کفایت کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و سنت کے احکامات پندرہ سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد صرف مردوں کے معاملے میں آج بھی کامل ہیں لیکن عورت کے معاملے میں ناقص ہیں اور زمانہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا ہے عورت سے متعلق نصوص کا نقص مسلسل واضح ہو رہا ہے [نعوذ باللہ]۔ دوسرے معنوں میں یہ نقص ذات خداوندی اور ذات رسالت مآب ﷺ میں تلاش کیا جا رہا ہے، نعوذ باللہ۔ غامدی صاحب اور ان کی اتباع میں عمار خان ناصر صاحب نے عورت کی دیت، حدود و تعزیرات میں عورتوں کی گواہی کے بارے میں جو موقف اپنایا ہے اس کے پیچھے یہی نفسیات کارفرما ہے (بشکریہ ماہنامہ صفدر)۔ (جاری ہے)

تبصرہ کتب مدیر

معلم القرآن

از عبدالرحمٰن محمد بشیر، اسلام آباد

قرآن فہمی ہر مسلمان کی ضرورت ہے خصوصاً ہم عجمی لوگوں کی جو قرآن حکیم کی زبان نہیں سمجھتے اور تراجم کی مدد سے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے کچھ عرصے سے ہمارے ہاں اس مبارک تحریک کا آغاز ہوا کہ ترجمے کے ساتھ ساتھ طالبانِ قرآن کو عربی زبان آسان طریقے سے سکھائی جائے اور تدریس و تفہیم عربی بذریعہ گرامر کا جو ثقیل طریقہ ہمارے دینی مدارس میں مروج ہے، اس سے ہٹ کر تجربات کیے جائیں چنانچہ عبدالرحمٰن ثاقب (مرحوم) پروفیسر قلب بشیر خاور بٹ اور مولانا عبدالرحمٰن طاہر گرامر کی بجائے علامات کے ذریعے طالبان قرآن کو مدد بہم پہنچانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ سید شبیر احمد مرحوم نے دو رنگوں میں ترجمۂ قرآن طبع کر کے اسے 'قرآن آسان تحریک' بنانے کی سعی کی۔ اسی طرح کی ایک کوشش اب جناب عبدالرحمٰن محمد بشیر صاحب نے کی ہے جو عربی سکھانے کے بزرگ داعی مولانا محمد بشیر سیالکوٹی صاحب کے صاحبزادے ہیں اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں استاد ہیں۔

انہوں نے جو 'معلم القرآن' ترتیب دیا ہے وہ ان کی رائے میں استاد کی مدد اور قواعد کے بغیر تدریجاً قرآنی الفاظ، قطعوں، جملوں اور آیات کو بآسانی خود سمجھنے کی صلاحیت طالبان قرآن میں پیدا کر دیتا ہے۔ ان کے نزدیک اس کاوش کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

آسان آغاز: طالب علم قرآن فہمی کا سفر انتہائی آسان قرآنی الفاظ سے شروع کرتا ہے۔

مرحلہ وار ہر آیت کا مفہوم: انہی الفاظ کے ملاپ سے مزید ایسے قرآنی قطعے اور ننھے جملے بنتے ہیں جنہیں وہ بآسانی خود سمجھ لیتا ہے۔

فہم قرآن میں مسلسل اضافہ: ان ننھے جملوں میں عربی کی معلومات کے اضافے سے

بننے والی لمبی درجنوں آیات کو بھی بآسانی خود سمجھتا چلا جاتا ہے۔

براہِ راست عربی میں فہم: طالب علم روزِ اوّل سے ہر سبق کی تمام آیات کو براہِ راست عربی میں ہی خود سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

قرآن فہمی ایک ذاتی صلاحیت: طالب علم کا قرآن کریم سے یہ براہِ راست تعلق اس کی ایک شخصی صلاحیت بن جاتا ہے جس میں تدریجاً نکھار آتا ہے۔

اساتذہ کا کام صرف تصحیح: چونکہ طالب علم آیات کو خود سمجھ رہا ہوتا ہے لہٰذا اساتذہ کا کام تدریس کی بجائے نگرانی اور تصحیح تک محدود ہوتا ہے۔

قرآنی ذخیرہ الفاظ میں اضافہ: ہر سبق میں سابق الفاظ کی دہرائی کے ساتھ نئے قرآنی الفاظ کا تدریجاً اضافہ ہوتا ہے۔

پڑھائی اور دہرائی ایک ساتھ: اس کتاب کا ہر اگلا سبق گزشتہ اسباق کے الفاظ، معلومات اور جملوں کی دہرائی بن جاتا ہے۔

عربی اسالیب کی پہچان: طالب علم مختلف عربی اسالیب (جیسے استفہام، تاکید، حصر، نفی، تکرار وغیرہ) کا فرق بآسانی سمجھ آتا ہے۔

فرسودہ طریقوں سے نجات: یہ جدید اور آسان انداز (لفظی ترجمہ، گردانوں اور اشاروں) کے غیر فطری اور پیچیدہ طریقوں سے بالکل مختلف ہے۔

مرحلہ وار ہر آیت خود سمجھنا: چھ مرحلوں (یونٹس) کے بعد قرآن کا ۵۰ فیصد سے زائد حصہ اور بارہ مرحلوں (یونٹس) کے بعد مکمل قرآن خود سمجھ سکتا ہے۔

ہر عمر کے افراد کے لیے موزوں: یہ طریقہ کار بچوں سے لے کر بڑوں تک کسی بھی عمر کے افراد کے لیے انتہائی موزوں اور موثر ہے۔

مصنف پُر امید ہیں کہ یہ ایک منفرد کاوش ہے اور اردو دان طبقے کی قرآن فہمی میں اہم سنگ میل ثابت ہوگی۔ ہم کسی اختلافی رائے کا اظہار کرنے کی بجائے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے اور اسے عوام الناس میں مقبول فرمائے کہ قرآن فہمی میں مدد دینے والی ہر کاوش مستحق تشجیع ہے اور جس کی سعی کچھ بھی عوام الناس کے فہم قرآن میں مدد دے وہ ایک

مبارک کام ہے۔

یہ معلم القرآن کا حصہ اول ہے جو بڑی تقطیع پر ۲۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اس کی قیمت ۵۴۰ روپے ہے اور یہ دار العلوم آب پارہ مارکیٹ اسلام آباد سے طلب کی جا سکتی ہے۔

برائے رابطہ موبائل 0321-5152880، ٹیلی فون: 225055 51 92+، فیکس: 2261116 51 92+
ای میل: arabicpakistan@gmail.com ویب سائٹ: www.arabicpakistan.com

----

روح الامین کی معیت میں

کاروانِ نبوت

از پروفیسر ڈاکٹر تسنیم احمد، کراچی

قرآن حکیم کی طرح سیرت رسول ﷺ بھی وہ سدا بہار باغ ہے جس کی مشام جاں ہر سلیم الفطرت شخص کو، زمان و مکان کی پابندیوں سے ماوراء، ہمیشہ معطر کرتی رہتی ہے اور اس باغ میں جو بھی داخل ہو نکہتِ نو سے سرشار ہو سکتا ہے اور اسے یبوست کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

پچھلے کچھ عرصے سے یہ مبارک رجحان بھی عالم اسلام میں اور ہمارے ہاں پیدا ہوا ہے کہ سیرت رسول ﷺ کو قرآنی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ عربی اور اردو میں کئی کام اس نوعیت کے ہوئے۔ تاہم قرآن و سیرت پر قلم اٹھانے والے ہر مولف کے لیے ایک چیلنج بہرحال ہوتا ہے کہ اس کا کام دوسروں سے منفرد ہو، پہلوں سے مختلف ہو اور مواد کے لحاظ سے نہ سہی تو کم از کم اسلوب میں ہی اس میں کچھ نیا پن ہو۔ ہم مولف کو مبارک باد دیتے ہیں کہ وہ اس امتحان میں کامیاب رہے ہیں۔ اس کے باوجود کہ وہ پیشے کے لحاظ سے سائنسدان ہیں، وہ سیرت میں خوبصورت تحریر لکھنے اور اس میں نئی راہ نکالنے میں کامیاب رہے ہیں۔ ان کے کام کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱- ان کا کام سیرت کو دعوت و اصلاح کی ایک عملی تحریک کے طور پر پیش کرتا ہے۔

۲- ان کا اسلوب اتنا جاندار اور جاذب ہے کہ قاری خود کو اس تحریک کا ایک حصہ سمجھتا ہے گویا وہ آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا ہو اور اس میں شریک ہو۔

۳-اس میں قرآن کی نزولی ترتیب بھی موجود ہے۔

۴-اس میں قرآنی سورتوں کی آزاد ترجمانی کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔ جو لفظی اور بامحاورہ ترجمے سے زیادہ موثر ہے۔

۵- غرض یہ سیرت پر ایک منفرد کتاب ہے لیکن خوبصورت بات یہ ہے کہ مولف نے نہ دعویٰ علمیت کیا ہے اور نہ دعوی ادبیت حالانکہ یہ دونوں خوبیاں اس میں موجود ہیں۔

ان خوبیوں نے کتاب کو دلچسپ، مفید اور مطالعے کے لیے مرغوب بنا دیا ہے۔

۱۶۰ صفحات کی یہ کتاب مکتبہ دعوۃ الحق کراچی نے شائع کی ہے۔ اس کی قیمت (برائے اشاعت مزید) ۱۵۰ روپے ہے۔ ملنے کا پتہ: آر ایس ۳۳، اٹاوہ سوسائٹی نزد گلشن معمار کراچی ۷۵۳۴۰ اور رابطہ نمبر ۰۲۱-۳۶۳۵۰۱۰۰ ہے۔

مجموعہ التفاسیر

از حاجی محمد مبین، کوئٹہ

قرآن حکیم بلاشک وشبہ ایک معجزہ ہے اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اب یہ خوشہ چینیوں کی اہلیت وصلاحیت پر منحصر ہے کہ وہ اس بحر لا پیدا کنار میں غواصی کریں اور گوہر ہائے آبدار تلاش کر کے لائیں۔ یہ تلاش بھی مبارک ہے اور خریداران یوسف میں نام لکھوانے کے لیے اَٹی لے کر پہنچ جانا بھی نصیب کی بات ہے تاہم اس عظیم کام میں اتنی سادگی بھی مناسب نہیں کہ آپ نے بڑی تقطیع کے ۷۵۴ صفحات پر سورہ بقرہ کی تفسیر لکھی ہے (الفاتحہ کدھر گئی؟) اور اس کا نام مجموعہ التفاسیر رکھا ہے (اندر کے صفحات میں 'مجموعہ القرآن' بھی لکھا ہوا ہے) لیکن آپ چند صفحات کا دیباچہ نہیں لکھتے اور اس میں یہ نہیں بتاتے کہ آپ کا تفسیر لکھنے کا منہج کیا ہے؟ آپ نے کون سی تفسیریں سامنے رکھی ہیں؟ یا آپ کا یہ مجموعہ کن کن تفاسیر کا احاطہ کرتا ہے؟ اس میں بھی کوئی حرج نہیں تھا اگر یہ ذکر کر دیا جاتا کہ اس مجموعہ تفاسیر کی انفرادیت کیا ہے؟ اس کے اہم ممیّزات اور خوبیاں کیا ہیں؟ مولف علمی حلقوں میں غیر معروف ہیں (اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں) تاہم

ادارے کی طرف سے مولف کا تعارف دیا جاسکتا تھا۔ یہ کام شیخ القرآن مولانا لال محمد صاحب (بعض جگہ لعل محمد لکھا گیا ہے) پرنسپل اقراء اکیڈمی کوئٹہ کی زیرنگرانی کیا گیا ہے۔اس اکیڈمی اور مولانا صاحب کے بارے میں بھی طریقے سلیقے سے چند تعارفی سطور دی جاسکتی تھیں اور یہ بدذوقی اور دکھاوا نہ ہوتا بلکہ یہ اس کام کا وزن بڑھاتیں اور اسے علمی حلقوں میں پذیرائی بخشنے میں ممد ہوتیں۔اسی طرح فہرست مضامین موجود نہیں اور نہ آخر میں اشاریہ ہے حالانکہ ان کے بغیر اتنی ضخیم کتاب سے استفادہ ممکن ہی نہیں۔

یہ بعض ملاحظات اس لیے لکھ دیے ہیں تاکہ آئندہ کام میں اگر ان کا لحاظ رکھا جائے تو مفید ہو ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حاجی صاحب کی یہ تفسیر خاصے کی چیز ہے۔اردو، عربی کے ساتھ انگریزی مراجع سے استفادہ بھی کیا گیا ہے۔ان کا اسلوب بھی عمدہ ہے۔قرآنی عبارت کا پہلے اردو ترجمہ کرتے ہیں پھر تفسیر میں الفاظ کی تشریح کرتے ہیں اور مسائل زیر بحث لاتے ہیں۔حاجی صاحب کا اسلوب عصری تقاضوں کے مطابق ہے۔وہ مسائل کے لیے مناسب عنوان کا انتخاب کرتے ہیں اور ان کا انداز استدلال جدید اذہان کو اپیل کرنے والا ہے۔

کتاب پر قیمت درج نہیں، نہ ملنے کا پتہ مذکور ہے۔رابطہ نمبر 0300-3818672 ہے۔

رمضان ہمیں بدلتا کیوں نہیں؟

ہم رمضان میں روزے بھی رکھتے ہیں، قرآن بھی پڑھتے ہیں، تراویح بھی سنتے ہیں اور استطاعت ہو تو روزہ افطار بھی کراتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود بالعموم روزہ ہمارے نفس کا تزکیہ نہیں کرتا، ہمیں متقی نہیں بناتا۔رمضان سے پہلے ہم جن خرابیوں میں مبتلا تھے اور جن معصیتوں کا ارتکاب کرتے تھے وہ جاری رہتی ہیں......ایسا کیوں ہے؟

اگر اصحاب علم وفضل میں سے کوئی اس پر روشنی ڈالنا چاہیں تو البرہان کے صفحات حاضر ہیں۔